مدیر مسئول
اصغرعلی امام مہدی سلفی
مدیر
مولانا محمد خورشید عالم
مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی　مولانا شہاب الدین مدنی　ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی　مولانا طہ سعید خالد مدنی　مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
سیرت نبوی کی عظمت اور محدثین کا منہج ۷
علم میں برکت کے اسباب ۹
فضائل اخلاق ۱۲
اقوام کی بقامیں اخلاق کا اثر ۱۶
حج کے احکام ومسائل ۱۷
عمرہ کے مختصر احکام ومسائل ۲۰
اسلام میں بیوی کے حقوق ۲۳
مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری ؒ ۲۸
جماعتی خبریں ۳۱
اپیل ۳۲

بدلِ اشتراک
سالانہ ________ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ________ ۷/روپے
پاکستان ________ ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغرعلی امام مہدی سلفی

عید سعید کیسی اور کس کی؟

ایک عرب شاعر نے کتنا برمحل کہا ہے:

انی اتجھت الی الاسلام فی بلد
تجدہ کالطیر مقصوصا جناحاہ

یعنی روئے زمین پر جہاں کہیں جاؤ گے یا جس طرف نظر اٹھاؤ گے تو تمہیں صاف صاف نظر آجائے گا اور ہر جگہ یہی دیکھو اور پاؤ گے کہ اہل اسلام ایک پرندہ کے مانند ہیں لیکن اڑنے کے لئے نہیں کیونکہ ان کے پر ہر طرح سے کتر دیئے گئے ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس کے بازوؤں اور ڈینوں کو ہی کاٹ کر رکھ دیا گیا ہے کہ وہ آہ وکراہ کے علاوہ حرکت بھی نہ کر سکے اور بازوؤں کو پھڑ پھڑا بھی نہ سکے۔ عالم اسلام مسلم امت جہاں کہیں بھی اس وقت ہے انہی حالات سے دوچار ہے۔

آج صورت حال یہ ہے کہ جہاں مسلمان ہی مسلمان ہیں، وہاں بھی اپنی چیرہ دستیوں سے نہ خود محفوظ ہیں، نہ اپنے بھائیوں کو امن وچین سے جینے دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان کی عوام تو کالانعام بنا ہی دی گئی ہے اور ان کو ایسی زندگی جینے پر مجبور کر دیا گیا ہے کہ ان کو مارنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود آمادہ خودکشی ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں سے آتم ہتیا اور مسلم ہتیا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے اندر احساس زیاں کا ادنیٰ شعور بھی نہیں ہے۔ وہ سود زیاں سے بے نیاز اپنی زندگی جینے اور اسی پر راضی رہنے پر قانع ہیں۔ اندر سے لے کر باہر تک جذباتی نعروں اور للکاروں پر فدا ہیں۔ اور اسی طرح کی موت کو اپنے لئے گویا مقدر کئے ہوئے ہیں۔ وہ بسا اوقات آخرت فراموشی اور دین سے دوری میں اپنے غیر مسلم بھائیوں سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ نہ ان کو دینداری برتنے کا شعور وہوش ہے اور نہ ہی ان کو دنیاداری اور کسی طرح ہوشیاری آتی ہے اور نہ برداشت اور صبر کا ملکہ ہے۔ اس لئے بڑی آسانی سے وہ اب مقتل کی

طرف رواں دواں ہیں کہ اللہ نہ کرے ''خسر الدنیا و الآخرۃ'' کے سزاوار نہ ہو جائیں۔ اس میں مسلم حکمرانوں، دانشوروں، علماء و مفکرین اور دیگر منظمات اور اس کے سربراہان کا کتنا حصہ ہے اور خود عوام اور رعایا کا کیا حال ہے وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تاہم یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ عصر حاضر کے مسلمان لگتا ہے کہ سوچنے، سمجھنے اور کوئی مثبت عملی اقدام کرنے سے قاصر ہیں۔ بس ان کا کل اثاثہ اور ایمان چند جذباتی اور ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والوں کے مرہون منت ہے اور بدقسمتی سے عالم اسلام اور اندرون ملک وملت ایسے جیالے اور طالع آزما بہتیرے ہیں۔ بعضے اگر اس طرف متوجہ ہوتے بھی ہیں اور ان کو امت اور انسانیت کی پستی اور انحطاط کا احساس بھی ہوتا ہے تو وہ صرف ایک دوسرے کو ملامت کرنے اور قصوروار ٹھہرانے میں ہی اپنی کامیابی اور کارنامہ سمجھتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم، جماعت، ملت، گھر، فیملی، باپ، بیٹے اور خود بھائیوں میں ایک دوسرے کے سر تنزلی کا ٹھیکرا پھوڑنے کا رجحان پیدا ہو جائے اور ان میں یہ مرض پیدا ہو جائے تو سمجھ لیں کہ اس قوم، جماعت اور خاندان سے تعمیر وترقی کی توفیق چھین لی گئی ہے۔ قوموں کی زندگی میں یہ سب سے منحوس مرحلہ ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلم امت آج اسی مرض میں مبتلا ہے۔ اسی لئے آج امت کا حال زار اور اس کے احوال وکوائف ناگفتہ بہ ہیں۔ فلسطین چونکہ تازہ تازہ حملوں، بے شمار وپیہم بمباریوں، آتشیں اسلحوں، بلڈوزروں اور ڈرون حملوں کی زد میں آکر تباہی وبربادی کے آخری دہانے پر کھڑا ہے اور مختلف طرح سے اس کے خلاف پروپیگنڈوں اور اپنوں کی کچھ ناعاقبت اندیشیوں کی وجہ سے یا سازشوں کا شکار ہونے کے سبب مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے، خصوصاً غزہ کھنڈرات میں بدل چکا ہے اور اس کے ہزاروں افراد بطور خاص ہزاروں بچے اور عورتیں دنیا کی سب سے مظلوم ومقہور اور کسمپرسی کے عالم میں زندگی گذارنے والی قوم نظر آرہی ہے۔ چونکہ مزاحمت اور جنگ کا ہوّا کھڑا کیا گیا ہے تاکہ جنگ باور کرا کر، إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ (النمل:۳۴) ''کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔'' کا نقشہ کھینچ کر کے اور ظلم وزیادتی، عصیان وطغیان اور محلی وبین الاقوامی قوانین کی دھجی اڑاتے ہوئے مظلوم بھی بنا رہا جائے اور خرد کا نام جنوں اور جنوں کا خرد رکھ دیا جائے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم خراب حال افریقہ کے بہت سے ممالک کے ہیں، سیریا و عراق کس قدر تباہی کا شکار ہوئے اور کیسے ان پر دنیا کے بم بارود برسائے اور گرائے گئے اور آج بھی وہ کس کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔ یہ سب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ وہ طرح طرح کے چیلنجز، مصائب اور دیگر گوں حالات کے شکار آئے دن ہو رہے ہیں وہ اپنی سخت جانی کی وجہ سے زندگی کی گاڑی کھینچے جا رہے ہیں اور اپنی نسلوں کو جینے اور کچھ کرنے کا حوصلہ جٹا رہے ہیں۔ سلام ہے ان کی ہمت وحوصلہ، مردانگی اور ثبات قدمی کو کہ وہ ہجوم مصائب میں بھی جینے کا حوصلہ رکھتے اور ہنر جانتے ہیں۔ اور افسوس ہے عالم پر، خصوصاً ان سپر پاورس کو للکارنے والوں پر جوان کو جنگ اور تباہی کے منہ میں دھکیلنے اور تماشے کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ انسان کو انسانیت کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

لیکن معاملہ اس کے الٹ ہو رہا ہے اور انسان انسان کو کھا رہا ہے۔ آپ نے شیر جیسے درندہ کو دوسرے شیر کو کھاتے نہیں دیکھا ہوگا۔ مگر انسان جس کے لئے دنیا کی ساری نعمتیں اور طیبات حلال کئے گئے اور اسے کھانے اور استعمال کرنے کی اجازت دی گئی، لیکن وہ اپنے جیسے انسانوں کو کھانے سے دریغ نہیں کر رہا ہے۔ جیفری اور اپسٹین کے واقعات اور حالات تو دور جاہلیت اور جنگلوں کے سباع ووحوش کی درندگی، ظلم وزیادتی اور بے حیائی کو بہت پیچھے چھوڑ رہے ہیں وہ بھی اس مہذب دنیا اور ترقی یافتہ وقت میں جس میں دنیا چاند اور ستاروں سے بھی آگے جا چکی ہے اور ادھر دین واخلاق اور انسانیت کا یہ حال

ہے۔آپ ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

دور کی سہانی کوڑی ہم لا رہے ہیں،عرب وعجم کی باتیں سنا رہے ہیں، عراق ولبنان،تبت اور برما اوراراکان کے خونچکاں حالات بیان کرر ہے ہیں کہ وہاں انسانیت کس طرح دم توڑ رہی ہے اور غزہ میں انسانی جانوں اور معصوموں پر کیسے عرصۂ حیات تنگ ہےاورکس درجہ جسم کوننگا کیا جارہاہےاورجان کوسنگ جانی کا سامنا ہے؟ بھوک و پیاس، بے سروسامانی، کسمپرسی اور بے بسی کے عالم میں ٹینکوں ،میزائیلوں کے ذریعہ زمینی وآسمانی ہوائی وفضائی حملوں، بارودی سرنگوں اور بربادی کے تہہ خانوں میں کیسے بربریت اور جارحیت کے شکار ہیں؟ جس پر ہم مرثیہ بھی پڑھ رہے ہیں اور وہاں کچھ نہ کر پانے پر اپنے آپ کو بری اور معذور گردانتے ہیں،مگر ہمیں خود یہ احساس نہیں ہے کہ ہمارے گردوپیش کتنے لوگ فقر وفاقہ کے شکار ہیں، نان شبینہ کوترس رہے ہیں اور دوا کی ایک ٹکیہ کسی ملک میں مظلوم کو حاصل نہیں ہے؟ تو ہم پھراس طرح کیوں زمین وآسمان کی قلابیں ملارہے ہیں؟ جب کہ بالکل پڑوس میں رشتہ دار بھوکے پیاسے مررہے ہیں، بچے بلک رہے ہیں اور صبح ہوتے ہی کوڑے دانوں، گلی کوچوں، کچرا گھروں اور گندگی کے بھنڈاروں میں سڑے اور جراثیم زدہ کھانے تلاش رہے ہیں۔ان کی خبرنہیں ہے۔ یہ ہماری ہمدردی عجیب طرح کی ہے۔دور کی سلجھارہے ہیں اور اپنے پیروں تلے زمین کھسکی ہوئی ہے۔ کیا ماہ رمضان المبارک میں بھوک و پیاس کی شدت نے کیا ہمارے لبوں میں جنبش پیدا کی کہ اے بارالہ! ہمارے مظلوم ومقہور ومجبور محض بھائی دنیا کے مختلف خطوں میں مصائب کے مارے بھوکوں مررہے ہیں ان کو مصیبتوں سے نجات دے دے، بھوکوں کو کھانا کھلا دے، کراہتے زخموں کو شفادے دے، یتیموں کے سروں پرشفقت کا ہاتھ رکھنے والا پیدا فرمادے ،امن وامان کی نعمت عظمیٰ سے انہیں شادکام کردے۔ اگراس رمضان المبارک میں مغفرت کے لئے تڑپ رہے تھے اور دعا کررہے تھے توان شہیدوں اور مظلوم قتل کئے گئے لوگوں کے جنت الفردوس میں جانے اور بخشوانے کی دعا کیوں نہیں کی۔ جو غریب ہیں ان کی عید سعید کیسے ہوگی؟ اس کی فکر عید کی تیاریاں کرتے ہوئے تمہیں ستائی ہے یا نہیں۔ اپنے بچوں کی یادتمہیں نئے کپڑوں کی تیاری کی طرف توجہ دلاتی رہی توان جگر گوشوں پر بھی نظر رکھنی چاہیے تھی جو پرانے کپڑوں کے لئے بھی ترس رہے ہیں۔ وہ عیداوراس کی خوشیاں کیا جانیں وہ رحم وکرم کوکیا جانیں جوسایۂ ظلم میں پلتا ہے۔ دیکھوتم نے عید کا چاند دیکھنے کا اہتمام کرنے کا اعلان کیا تھا،لیکن لوگ گھروں سے نکلنے کوتیار نہیں ہوئے کہ وہ چاند خود دیکھ لیں،مگر عید کے لئے وہ بے چین تھے لیکن وہ جن کوان کے گھروں کوکھنڈرات میں تبدیل کردیا گیا ہے اور جو کھلی آسمانوں تلے جینے کی مہلت اور سکونت سے محروم ہیں انہوں نے تو کھلی آنکھوں سے چاند دیکھے تھے کیونکہ ان کے سروں پر چھت ہی نہ تھی۔مطلع بھی صاف تھا۔آسمان ابرآلود بھی نہ تھا،مگر آنکھوں تلے گھپ اندھیرے کا ڈیرا اور تیرگی کا بسیرا تھا۔غم وآلام کی اس شب تاریک میں ان کا کوئی پرسان حال وغمخوار نہ تھا، پھر سپیدۂ سحر کیونکر نمودار ہوتی، کیونکر صبح عید سعید بنتی اوراپنے ساتھ خوشیوں کا سوغات لاتی؟ آخر امت اور انسانیت کو کیا ہوگیا ہے اور وہ کہاں کھوگئی ہے!؟ اس وقت یقیناً یہ مظلومین وخانماں برباد لوگ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ اگر یہ سلامتی اور شانتی کا پیغام اور اسلام کا پیام امن وایمان لانے والا چاند ہے تو ہمیں اس قدر ہیجانی، پریشانی، بے سروسامانی اور بے اطمینانی کی حالت میں مرتا ہوا کیونکر دیکھ رہا ہے؟ یہ ہماری عید کی خوشیوں کا نوید کیا لاتا،غموں کو کیوں ہرا کرر ہا ہے اور زخموں کو کیوں کرید رہا ہے؟ ایسے میں ہے کوئی ہے جومثبت سوچ رکھتا ہواور جو امت اور انسانیت کو مزید مصائب سے دوچار کرنے اور پوری انسانیت کوخرخشے میں ڈالنے کے بجائے ہلال عیداور عیدسعید کوامن وایمان اور سلامتی وشانتی کا پیش خیمہ بنائے؟

آؤ! اگر ضمیر مردہ اور دل سیاہ نہیں ہوگیا ہے اور ایمان واسلام کی ادنی رمق باقی ہے تو سب سے پہلے اپنے رب سے اپنا رشتہ مضبوط کرو، اسی سے لولگاؤ اوراسی کے نور وسراج منیر سے اپنی شمع روشن کرو۔ اگراس چراغ سے لولگاؤ گے تو یہ شمع زمانے میں کبھی بجھنے نہیں پائے گا اور پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہیں

جاسکے گا۔خلق خدا پر رحم کرو، یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کا سہارا بنو۔ان کی مدد کرو، مظلوموں کا پشت پناہ اور ان کا خیر خواہ بنو، کمزوروں اور لاچاروں کے معاون و مددگار بنو۔تمہارے نبیﷺ نے انتہائی غربت وافلاس اور ضعف وظلم کے دور میں بھی عرب اور مکہ کے لوگوں سے بلا تفریق مذہب وملت اور رنگ ونسل، دل نوازی، غریب پروری اور عدل وگستری کی مثال قائم کی تھی۔جس نے آپ کو سب سے افضل اور اعلیٰ بنادیا۔آؤ اور مظلوم بھائیوں کا سہارا بنو اور اگر نہیں بن سکتے تو ان کی مشکلات کو اپنی سیاسات، کھوکھلے نعرات اور مذبوحی حرکات سے دشمن جانی وایمانی اور عدو انسانی کو اور زیادہ کھل کھیلنے کا موقع مت دو اور نہ ان کو اکسا کر اپنے گھروں سے زبانی جمع خرچ کرتے رہو اور وہ مرتے رہیں، ایسا ہرگز نہ کرو۔عید محبتوں، مساوات ومواسات، ہمدردی اور خوشیاں بانٹنے کا موقع ہے، اسے خوب عام کرو، نفرت وعداوت کا گلا گھونٹ کر سب کو گلے لگالو، امن، وقار اور سکونت وسکینت کی خود تصویر بنو اور دنگائیوں، فسادیوں، بدامنی پھیلانے والوں، طالع آزماؤں اور فتنہ پروروں کو ہرگز موقع نہ دو کہ وہ امن وبھائی چارہ کو بھنگ کریں۔اپنی عبادت گاہوں کا احترام کرو اور اس پر دوگانہ اور جمعہ اور تراویح کا اہتمام کرو اور عام شاہراہوں اور گذرگاہوں پر نماز پڑھنے اور بھیڑ لگانے سے بچو اور شوشہ چھوڑنے اور لوگوں کو مذہب، نماز اور تہوار کے نام پر چھیڑنے اور زیادتی کرنے والوں کو کوئی چانس ہرگز نہ دو۔اس عید سعید میں مردوں، عورتوں اور تمام مسلمانوں کو عبادت سمجھ کر شریک کرو اور اپنے ہم وطنوں اور پڑوسیوں کو بھی اپنی مسرت اور سعادت کا فیض پہنچاؤ۔اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور بڑائی ہی مدنظر رہے۔پورے سال روزہ رکھنے کا ثواب حاصل کرنے کے لئے عید کے بعد فرض روزوں کی قضا کر چکنے کے بعد ۶ روزے شوال کا رکھو اور تقویٰ کی زندگی کو اپنا شعار بنالو۔اللہ تعالیٰ تمام عالم کے لئے اسے عید سعید بنائے۔تقبل اللہ منا ومنکم وشکرا جزیلا للہ۔مبارکباد وشکریہ

☆☆☆

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲) وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا، امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا ئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ ''جریدہ ترجمان'' (اُردو)، ماہنامہ ''اصلاح سماج'' (ہندی)، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ'' (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایاجات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایاجات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

سیرت نبوی کی عظمت اور محدثین کا منہج

مولانا اسعد اعظمی/ بنارس

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين.

سیرت نبوی کی اہمیت وعظمت کے نمایاں پہلوؤں میں دو ایسے ہیں جو معجزانہ حیثیت کے حامل ہیں اور امت مسلمہ کو ان کی وجہ سے اقوام عالم پر امتیازی شرف حاصل ہے۔ علمائے حدیث اور سیرت نگاروں کی علمی کاوشوں سے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ اور ہر ورق جس جامعیت کے ساتھ مرتب ومدون ہو کر محفوظ شکل میں موجود ہے وہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ یہ سیرت نبوی کا اعجاز اور امت مسلمہ کا وہ نادر سرمایہ ہے جس سے دوسری قومیں یکسر محروم ہیں۔ انبیاء سابقین کی تعداد لاکھ سے بھی متجاوز ہے اور ان میں سے بعض کے متبعین کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، لیکن ان لوگوں نے اپنے نبی کے حالات زندگی کو محفوظ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا، اس لیے وہ مرور ایام کی نذر ہو گئے۔ ان کے رائج الوقت تذکرے یا تو محض افسانے ہیں یا محرف اور غیر مستند مرویات کا شاخسانہ۔ اس کے بالمقابل اللہ کے آخری نبی جناب محمد ﷺ کے تمام حالات زندگی کے جامع سیکڑوں مستند مجموعے دنیا کی ہر زبان میں موجود ومحفوظ ہیں۔ اس لیے سیرت نبوی کی معجزانہ عظمت کے لیے یہی کافی ہے۔ حضرت آدم کی آفرینش سے نبی اکرم ﷺ تک لاکھوں انبیاء اور ان کے متبعین کے طویل تسلسل وتناظر میں آپ ﷺ کے آثار وحالات کے احاطہ وحفاظت کا جو اہتمام بالغ امت مسلمہ نے کیا ہے وہ کسی امت نے اپنے نبی کے بارے میں نہیں کیا ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم صدیوں پہلے اعلان کر چکے ہیں کہ لم يكن في أمة من الأمم منذ خلق الله تعالىٰ آدم أمة يحفظون آثار نبيهم غير هذه الأمة۔

سیرت نبوی کا دوسرا معجزانہ پہلو یہ ہے کہ علمائے حدیث نے اپنی جہود مخلصہ سے سیرت نبوی کے ہر پہلو کو حقیقت و واقعیت کی میزان پر تولنے کے لیے دنیائے انسانیت کو علم رجال کی نعمت سے مالا مال کیا ہے، اس عظیم علم کی ایجاد بھی مسلمانوں کا منفرد کارنامہ ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کے پاس موجود نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت وسنت کا رشتہ اس علم سے اس قدر مربوط ہے کہ اگر ذرا سا بھی اس میں لچک آ جائے تو سیرت النبی کا سارا معاملہ دیگر اقوام کے بے سروپا نوشتوں کے ہم رنگ ہو کر اپنی انفرادیت کھو دے گا۔

علم رجال اپنی عظمت وجلالت کے ساتھ اس قدر کثیر المنافع ہے کہ سیرت النبی سے متعلق روایات میں کھرے کھوٹے کے درمیان فرق وتمیز حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ سیکڑوں ہزاروں رجال کی سیرتیں بھی منظر عام پر آ گئیں، اس علم جلیل کے وجود میں آنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ایک طرف اعداء اسلام کو مطعون وبدنام کرنے اور سنت رسول سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لیے طرح طرح کی جھوٹی اور مستحیل باتیں آں حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے احادیث کے نام سے مشہور کر رہے تھے اور دوسری طرف امت مسلمہ کے کچھ ہوا پرستوں نے وضع حدیث کے بدترین عمل کو اپنی اغراض فاسدہ کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ اس مجرمانہ وخطرناک طرز عمل سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسنت کے خزینے میں کھرے کھوٹے اور صحیح وفاسد کی آمیزش ہونے لگی اس لیے علمائے حدیث گھبرا اٹھے اور علم رجال کے آلۂ جراحی سے موضوع ومکذوب کا آپریشن کر کے سیرت وسنت کو فاسد مواد سے پاک وصاف کیا۔

ہمارے مقالے بلکہ ہماری گفتگو کا اصل موضوع یہی علم جرح وتعدیل ہے اور آج کے زمانے میں اس کی ضرورت پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے کیوں کہ مستشرقین علمی وتحقیقی عنوان سے بہت لطیف انداز میں رواۃ حدیث کو نشانۂ تنقید بنا کر ذخیرۂ احادیث کو شکوک کی نذر کر رہے ہیں۔ یہ موضوع اپنے ابتدائی اور ارتقائی مراحل کے تناظر میں بہت تفصیل طلب ہے لیکن وقت کی مناسبت سے اس کا ایک انتہائی مختصر خاکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

علم رجال کا آغاز اس وقت ہوا جب خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اٹھنے والے فتنوں نے مسلمانوں کی وحدت کو گروہوں وفرقوں میں منتشر کر دیا، چوں کہ علم رجال کا ظہور وضع حدیث کا ثمرہ ہے اس لیے پہلے وضع حدیث کے عوامل کی طرف جھانک لینا چاہیے۔

وضع حدیث کے عوامل میں بنیادی طور پر وہ سیاسی فتنے ہیں جو قرن اول کے نصف اول میں مسلمانوں کے درمیان جنگ جمل وصفین وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئے اور ان کے ردعمل میں شیعہ وخوارج اور عباسی وعلوی جیسے گروہ پیدا ہوئے اور ہر ایک نے اپنی رائے وعقیدے کی تائید اور اپنے حریف کی تحقیر وتنقیص کے لیے وضع حدیث کو سہارا بنایا، ابتدا میں وضع حدیث اور روایت موضوعات کا مرکزی میدان عراق اور خاص کر کوفہ رہا اور یہی چیز اس کی بدنامی کا باعث ہوئی۔

وضع حدیث کے من جملہ عوامل میں اہل کلام کے ان فرقوں کا ظہور ہے جو

قدریہ، مرجیہ، جہمیہ وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں، یہ لوگ جہاں کہیں باہمی مناظرات میں اپنی تہی دامنی محسوس کرتے، اپنے عقائد و مذاہب کو مدلل کرنے کے لیے وضع حدیث کی پناہ حاصل کرتے، زنادقہ جو اپنے باطنی کفر والحاد پر اسلام کا ظاہری لبادہ ڈال کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں کیا کرتے تھے، انہوں نے بھی سنت کو مسخ کرنے کے لیے وضع حدیث میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔ جس طرح واعظین نے جاہل سامعین کو گرمانے و برمانے اور ہنسانے ورلانے اور جنت وجہنم کے بیان کو موثر ومشوق بنانے کے لیے مناکیر واکاذیب اور عجیب وغریب روایات کے وضع میں موثر کردارادا کیا ہے۔ واعظین کی برادری کے جاہل عباد وصالحین ہیں جنہوں نے لوگوں کو عمل خیر کی ترغیب اور شر سے ترہیب کے لیے سور قرآن کریم کے فضائل میں بہت زیادہ حدیثیں وضع کر کے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

وضع حدیث کے عوامل میں جنسی، علاقائی اور امام مسلک کی عصبیت، اسی طرح ملوک وحکام کا حصول تقرب وغیرہ بھی اہم عوامل ہیں۔

وضع حدیث کے اس سیل بلا کو روکنے کے لیے علمائے جرح وتعدیل نے رواۃ حدیث کے حالات وحیات کی تحقیق وتفتیش کا پر مشقت عمل محض لوجہ اللہ سنت صحیحہ کو خالص کرنے کے لیے جاری کیا اور اسی کی برکت سے محدثین کے ہاں قواعد علم حدیث مرتب ہوئے۔

حدیث کی اسناد کا اہتمام اور اس کے متعلق سوال واستفسار کا آغاز اسی طرح ہوا جس طرح ہر چیز کا حال اپنے ابتدائی مرحلے میں ہوتا ہے، کیوں کہ بالخصوص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے صدق وعدل اور زہد وورع میں کسی شک کی گنجائش نہ ہونے سے اسناد حدیث کے سوال کی ضرورت نہیں تھی لیکن حضرت عثمانؓ کے دور میں جو فتنے اٹھے اور ان کے اثر بد سے وضع حدیث کا کاروبار فروغ پایا تو سوال عن الاسناد کی طرف میلان ناگزیر ہو گیا اور شدہ شدہ اسناد کا اہتمام زیادہ ہو گیا۔ یحیٰی بن قطان کا خیال ہے کہ سب سے پہلے جس نے اسناد کی تفتیش کی وہ سید التابعین عامر الشعبی ہیں۔ بہر حال اسناد کی تفتیش کا یہ ارتقاء صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کے بعد اس پوزیشن میں آ گیا کہ روایات و احادیث کے لیے صحیح اسناد لازم ہو گئی۔ امام زہریؒ جو صغار تابعین میں سے ہیں اتنے متشدد تھے کہ روایت بدون اسناد کو جرأۃ علی اللہ سے تعبیر کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ اسناد کا مسئلہ قرن اول سے ترقی کرتے ہوئے قرن ثانی میں اس قدر اہم ہو گیا کہ ہر محدث کو اسناد کا التزام واہتمام کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہا کیوں کہ حدیث کی مقبولیت کا واحد محور یہی اسناد ہے۔ اس کا اندازہ محمد بن سیرینؒ متوفی 110ھ کے قول الإسناد من الدین سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

اسناد حدیث کے اس اہتمام بالغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرن ثانی کے نصف اول میں جو کتب حدیث مدون ہوئیں ان میں مکمل طور پر اسناد کا التزام کیا گیا اور ان پر اسم مسانید کا اطلاق بھی کیا گیا۔ جیسے مسند معمر بن راشد اور مسند الطیالسی وغیرہ۔ یہی مسانید کتب ستہ کا اساسی مادہ ہیں جس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

التزام اسانید کے بارے میں محدثین کا منہج مورخین، اہل سیرت اور اہل ادب پر بھی اثر انداز ہوا کیوں کہ ان کی وہی روایتیں ترجیح پاتی ہیں جو مسند ہوں جیسے کتب سیرت میں سیرت ابن اسحاق ومغازی الواقدی اور طبقات کبری لابن سعد، کتب تاریخ میں تاریخ خلیفہ بن خیاط اور تاریخ الطبری، کتب ادب میں کتاب الاغانی للاصبہانی، تاہم سیرت وتاریخ اور ادب میں اسانید کا استعمال اس دقت کے ساتھ نہیں ہوا ہے جس طرح کتب حدیث میں ہوا ہے، اس لیے روایات سیرت کے نقد میں محدثین کا منہج وہی ہے جو نقد حدیث میں ہے۔

دین میں اسناد کی اس غیر معمولی اہمیت نے علم رجال کو نظم وضبط کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اس کے جمع وتدوین اور تصنیف وتالیف کی ایک مثال قائم کر دی ہے۔ علم رجال کے اوائل مصنفین نے جب تصانیف کا سلسلہ شروع کیا تو ان کے متنوع اسالیب نگارش سے ان کی مصنفات میں بھی تنوع پیدا ہوا، چنانچہ ان مصنفات میں سے بعض وہ ہیں جو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف وتذکرہ تک محدود ہیں اور بعض وہ ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین ومن بعدہم کے حالات پر مشتمل ہیں۔ اس نوع کو کتب طبقات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک نوع ان مصنفات کی یہ ہے کہ ان میں رجال کی توثیق یا تضعیف کا درجہ بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ نوع کتب الجرح والتعدیل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتب بھی کئی انواع پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض میں صرف ثقات کے ذکر پر اقتصار کیا گیا ہے اور بعض میں صرف ضعفاء کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے، اور اور تیسری صنف ثقات وضعفاء کی جامع ہے۔

ان تطورات ازمنہ کی ایک صدی کے بعد تنوع کتب کا انداز اس طرح بدلا کہ کتب حدیث میں سے کسی ایک میں مذکور رجال کی تحقیق وتمحیص پر مشتمل مصنفات کا ظہور ہوا، بعض مصنفین نے کسی ایک معین شہر کے رجال حدیث تک اپنا دائرہ محدود رکھا جس کے نتیجے میں تواریخ رجال المحلیہ منظر عام پر آئیں۔ یہ عمل تیسری صدی ہجری کی نصف ثانی سے شروع ہو کر مرور ایام کے ساتھ وسیع ہوتا گیا۔ اسی طرح رواۃ حدیث کے اسماء وکنی اور انساب میں التباس کی وجہ سے ضبط الاسماء اور تمیز المؤتلف والمختلف والمتفق والمتشابہ کے لیے مستقل کتابوں کے ظہور سے علم رجال کے خزانے میں قیمتی اضافہ ہوا۔

☆☆☆

علم میں برکت کے اسباب

مولانا عبدالمنان
شکراوی، دہلی

علم میں برکت، انسان کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے۔ برکت کا مطلب ہے کہ آدمی کے پاس علم تو کم ہے لیکن وہ اس کے مطابق عمل کرے اور اسے لوگوں کے درمیان پھیلائے تو اس سے بہت زیادہ نفع اور بھلائی ہوگی۔ مثلا ایک شخص ایک حدیث یاد کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اور اسے دوسروں کو سکھاتا بھی ہے تاکہ اور لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھائیں تو اس کی برکت اور نفع اس شخص کے مقابلے میں زیادہ ہوگا جو بہت سی حدیثیں حفظ تو کر لیتا ہے لیکن نہ تو ان پر عمل کرتا ہے اور نہ ہی انہیں لوگوں کے درمیان عام کرتا ہے۔

ایک مسلمان کے لیے سب سے اچھی ملنے والی چیز علم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم) امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جسے دین کی سمجھ نہ ملی، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر علم والوں اور علم سے محروم لوگوں کو برابر نہیں قرار دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر:۹) ترجمہ: ''علم والے اور بے علم کیا برابر ہوسکتے ہیں؟''

دوسرے مقام پر فرمایا: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (المجادلۃ:۱۱) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گیے ہیں درجے بلند کر دے گا اور اللہ تعالیٰ (ہر کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔''

اسی طرح علم کی مجلسوں اور ان مجلسوں کو جو علمی نہیں ہیں برابر قرار نہیں دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ کے ذکر کی غرض سے مجلسیں منعقد کرتے ہیں، انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے، سکون واطمینان کا ان پر نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (فرشتوں) میں ان کا ذکر خیر کرتا ہے۔ (مسلم)

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل لوگوں کی مجلسیں حسرت ویاس اور افسوس ونقصان کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ ایسی مجلسوں سے اٹھتے ہیں جن میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا تو سمجھو وہ ایسی مجلس سے اٹھے ہیں جہاں گدھے کی سڑی ہوئی لاش پڑی ہو۔ انہیں افسوس کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا۔ (ابوداؤد) ایک اور روایت میں ہے کہ جو لوگ ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا گیا ہو تو اس مجلس کے اندر کمی رہ گئی۔ اگر اللہ چاہے تو انہیں سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ (ترمذی)

یہ علم کی اہمیت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں کثرت کی دعا کا حکم نہیں دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طہ:۱۱۴) ترجمہ: ''تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے۔ ہاں یہ دعا کر: کہ پروردگار میرا علم بڑھا۔''

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کسی چیز میں زیادتی وبڑھوتری مانگنے کا حکم نہیں دیا ہے سوائے علم کے۔ یہاں علم سے مراد علم شرعی ہے جس کی معرفت دینی امور میں مکلّف پر واجب وضروری ہے۔''

علم کے ذریعہ اللہ کی جناب میں بندے کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (المجادلۃ:۱۱) ''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گیے ہیں درجے بلند کر دے گا اور اللہ تعالیٰ (ہر کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔''

بلکہ علم ایسی دولت ہے جس کے ذریعہ آخرت سے پہلے دنیا میں بندے کے درجات بلند ہو جاتے ہیں بطور نمونہ یہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

ابراہیم حربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عطاء بن رباح رحمہ اللہ مکہ کی ایک عورت کے کالے کلوٹے غلام تھے۔ اسی دوران امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک اور ان کے صاحبزادے حج ادا کرنے مکہ آئے۔ انہیں ان سے ملاقات کرنے کے لیے انتظار کرنا پڑا کیونکہ وہ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ وہ ان کا برابر انتظار کرتے رہے تاکہ ان سے حج کے احکام وامور سے متعلق مسائل دریافت کریں۔ سلیمان نے اپنے بیٹوں سے کہا: اے بیٹو! طلب علم میں سستی نہ کرنا۔ کیونکہ علم ایسی دولت ہے کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایک کالے کلوٹے غلام کے سامنے ایسے بے وقعت ہو رہے ہیں کہ اسے بھلا نہیں پائیں گے۔

ابراہیم حربی رحمہ اللہ ہی کہتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمٰن اوقص کی جسمانی ساخت

ایسی تھی کہ ان کی گردن کندھوں میں دھنسی ہوئی تھی اور کندھے اٹھے ہوئے تھے۔ تو اس کی ماں نے اس سے کہا: اے بیٹے تم جس مجلس میں بھی رہو گے تم پر لوگ ہنسیں گے اور تمہارا مزاق اڑایا جائے گا۔ لہٰذا تم علم حاصل کرو جس سے تمہیں سربلندی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے علم حاصل کیا اور عالی مرتبت بن گیے یہاں تک کہ مکہ میں بیس سال تک عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ جب کسی کے خلاف ان کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جاتا تو وہ مارے ڈر کے کانپنے لگتا یہاں تک کہ رعب وہیبت کی وجہ سے کھڑا ہو جاتا۔

انسان تو انسان علم کی بنا پر ایک سدھائے ہوئے کتے کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم کی بدولت مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدۃ:۴) ترجمہ: ”اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہے، یعنی جنہیں تم تھوڑا بہت وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہے تو جس شکار کو وہ تمہارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھالو۔“

علم ایسا راستہ ہے جس پر چل کر بندہ اپنی عبادت کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (ابن ماجہ)

علم ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے لیے افضل توشہ ہے۔ اس میں وزن بھی نہیں ہوتا کہ اٹھانے میں مشقت کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ علم کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے جسے انسان ہر حال میں اپنے ساتھ رکھنے کا تصور کر سکے۔

ان خوش خبریوں پر غور کرو جو ایک مسلمان کو طلب علم پر ابھارتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اپنے بازوؤں کو طالب علم کو خوش کرنے کے بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے زمین وآسمان کی ساری مخلوق دعاء مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ مچھلیاں سمندر کی تہ میں۔ اور عالم کی فضیلت ایک عبادت گزار پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی سارے ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے دینار ودرہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا تو جس نے بھی علم کو حاصل کر لیا، اس نے پورا پورا حصہ لے لیا۔ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: جو علم سیکھنے کی غرض سے سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا جنت کا سفر آسان فرما دیتا ہے۔ (مسلم)

اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر صبح نفع بخش علم کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب صبح ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے: اَللّٰهم اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا وَّعَمَلًا مُتَقَبَّلًا (اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم، پاک روزی اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا۔ (ترمذی) (اے اللہ! جو تو نے مجھے علم سکھایا ہے اسے نفع بخش بنا اور مجھے وہی علم سکھا جو نفع بخش ہو۔) نفع بخش علم وہی ہے جس سے انسان فائدہ اٹھائے۔ اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ انسان کا دنیا سے تعلق نہیں رہتا بلکہ صرف آخرت کی فکر لاحق رہتی ہے۔ یہ بات اسے اللہ کی فرماں برداری اور اس کے تقویٰ کی طرف راغب کرتی ہے۔

علم میں برکت کے اسباب:

(۱) اخلاص یعنی علم کا حصول خالص اللہ کی خوشنودی ورضا حاصل کرنے کے لیے ہو۔ اگر علم کا حصول اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو تو یہ بڑا سنگین گناہ ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے جن تین لوگوں سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا وہ عالم، مجاہد اور مالدار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور وہ آدمی جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن کی قرأت کی، اسے لایا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ) اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان کرلے گا، وہ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے ساتھ کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور تیری خاطر قرآن کی قراءت کی۔ (اللہ) فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا، تو نے اس لیے علم پڑھا کہ کہا جائے (یہ) عالم ہے۔ اور تو نے قرآن اس لیے پڑھا کہ کہا جائے: یہ قاری ہے۔ وہ کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا، اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتی کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو (مارے خوف کے) ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی تھی۔

۲۔ علم کے مطابق عمل کرنا ورنہ وہ اس کے لیے وبال جان بن جائے گا۔

جو شخص بھلائی کا دوسروں کو تو حکم دیتا ہے لیکن وہ اسے خود نہیں کرتا، اس کے بارے میں ذرا غور کریں۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آگ میں اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ شخص اس طرح چکر لگانے لگے گا جیسے گدھا اپنی چکی پر گردش کرتا ہے۔ جہنم میں ڈالے جانے والے اس کے قریب آ کر جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے، اے فلاں! آج یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ کیا تم ہمیں اچھے کام کرنے کے لیے نہیں کہتے تھے، اور کیا تم برے کاموں سے ہمیں منع نہیں کرتے تھے؟ وہ شخص کہے گا جی ہاں، میں تمہیں تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا۔ برے کاموں سے تمہیں منع کرتا تھا، لیکن میں انہیں خود کیا کرتا تھا۔

تو ایسا علم جس کے مطابق عمل نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کیا جائے اور منع کردہ کاموں سے اجتناب نہ کیا جائے تو وہ علم نہیں ہے۔اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جو پھل نہیں دیتا۔ایسے ہی علم سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔جیسا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے:اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ.(اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔)(مسلم)

آپ بہت سے ایسے لوگوں کو پائیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت علم سے نوازا ہے لیکن اس علم کا اثر ان پر نہ ان کی عبادت میں نظر آتا ہے اور نہ ان کے اخلاق وکردار میں اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ ان کے معاملات میں، بلکہ اس علم کی بدولت وہ اللہ کے بندوں سے غرور وگھمنڈ اور انہیں حقیر سمجھنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ایسے علم سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی جب علم حاصل کرتا تھا تو وہ اس علم کا اثر اپنی نظر،خشوع وخضوع،زبان، ہاتھ، نماز اور دنیا سے لاتعلقی غرضیکہ ہر چیز میں دیکھنا چاہتا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے: میں نے جو بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لکھی پہلے اس پر عمل کیا۔

۳۔علم کا نشر کرنا اور لوگوں کے لیے اسے خرچ کرنا:حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:قَالَ إِنِّیْ عَبْدُ اللَّهِ آتَانِیَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيّاً وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكاً أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِیْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً (مریم:۳۰۔۳۱) ترجمہ:''بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں۔''

دعوت الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے) کا کام سب سے اچھے کاموں میں سے ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (فصلت:۳۳) ترجمہ:''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔''

دعوت الی اللہ بھلائی کے دروازوں میں سب سے بڑا دروازہ ہے۔وہ نیکیوں کی نہر، بھلائیوں کا سرچشمہ اور نیکیوں کا سب سے اعلیٰ نفع ہے۔ایک جس کے سامنے دعوت پیش کی جاتی ہے، وہ جو بھی بھلائی کا کام کرتا ہے، وہ داعی کے نیکیوں کے پلڑے میں بھی ہوگا۔جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی اچھے کام کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس پر عمل ہوتا رہا، اس کے لیے (ہر) عمل کرنے والے (کے اجر) جتنا اجر لکھا جاتا رہے گا اور ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔(مسلم)

سوچیے آپ کسی ایک شخص کی ہدایت کا ذریعہ بن گیے تو اس کی پوری زندگی آپ کی نیکیوں کے پلڑے میں ہوگی۔یا کسی کو نیکیوں کے ضمن میں کچھ سکھا یا دیا تو وہ اس پر ایک بار بھی عمل کرے گا تو آپ کی نیکیوں میں گنا جائے گا۔یا کسی کو سورہ فاتحہ سکھادی تو جب بھی وہ اسے پڑھے گا وہ آپ کی نیکیوں کے پلڑے میں ہوگا۔

چنانچہ دعوت الی اللہ اور علم کا پھیلانا موت کے بعد بھی اس کے اجر کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے :ایک صدقہ جاریہ ہے دوسرا ایسا علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور تیسرا نیک وصالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔(ترمذی)

علم کے نشر کرنے کی شکلوں میں قرآن کریم کے نسخے، ذکر واذکار کے رسالے خرید کر تقسیم کر دینا۔حفظ قرآن کریم کے حلقوں پر خرچ کرنا۔غور کریں کہ آپ نے ایک بچے کو صرف سورہ فاتحہ سکھانے میں حصہ لیا تو آپ کو کتنا اجر ملے گا؟ مساجد کے انتظام وانصرام، ان کی صفائی ستھرائی وغیرہ میں حصہ لینا یہ سب صدقہ جاریہ کی شکلیں ہیں۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں بھرپور حصہ لیں اور بھاری اجر وثواب کے مستحق بنیں۔

☆☆☆

مولانا ابوالکلام آزادؒ

فضائل اخلاق

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

ایثار: اخلاق وعادات شریفہ میں ایثار کو بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے یعنی دوسروں کو اپنی ذات بلکہ اعزہ پر بھی ہر معاملے میں مقدم رکھنا۔ آپ کو حضرت فاطمہؓ سے جس قدر محبت تھی اس کا بیان مشکل ہے۔ جب آپ ملاقات کے لیے تشریف لاتیں تو آپ فرط محبت سے کھڑے ہوجاتے، پیشانی پر بوسہ دیتے، اپنی جگہ بٹھاتے اور عموماً پوچھتے کوئی خاص کام تو نہیں؟

ایک مرتبہ کسی غزوے میں کچھ کنیزیں آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کو بھی ایک خادمہ کی سخت ضرورت تھی کیونکہ عسرت کے باعث کوئی ملازمہ نہ تھی اور گھر کا سارا کام حضرت فاطمہؓ خود ہی انجام دیتیں۔ چکی پیستیں، پانی کی مشک بھر لاتیں۔ اس وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے اور جسم مبارک پر نیل کے نشان نظر آتے تھے۔ سیدہ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کے مطابق پوچھا، کوئی کام ہے؟ سیدہ عالم حیا وخودداری کے باعث کچھ نہ کہہ سکیں۔ حضرت علیؓ نے ان کی ترجمانی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا۔ جب تک ان کا بندوبست نہ ہوئے میں دوسری طرف توجہ نہیں کرسکتا۔ ایک روایت میں ہے حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں بھی ایسی ہی درخواست لے کر آئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔

ایک دفعہ آپ کو ایک چادر تحفے میں ملی، آپ کو ضرورت تھی، رکھ لی۔ ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور کہا، کیا اچھی چادر ہے۔ آپ نے اتار کر ان صاحب کو دے دی۔ وہ لے کر چلے تو لوگوں نے ملامت کی کہ تم جانتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال رد نہیں کرتا یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کو چادر کی ضرورت تھی۔ اس نے کہا میں نے تو اس لیے لے لی کہ اسی چادر کا کفن بناؤں گا اور یہ میرے لیے باعث برکت ہوگا۔

ایک صحابی کے پاس ولیمے کے لیے کچھ نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کے یہاں جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ جا کر لے آئے حالانکہ شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھانے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ اسی طرح ایک انصاری کی مہمانداری کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا جو خود پی کر رات گزارتے تھے۔ دودھ مہمانوں کو پلا دیا اور خود رات فاقے سے گزاری۔

ایثار کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ اطمینان وراحت کا مقام ہو تو دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم رکھا جائے دوسرا یہ کہ خطرے اور تحمل شدائد کا مقام ہو تو انسان خود آگے رہے اور دوسروں کو پیچھے رکھے۔ یہ دونوں پہلو سیرۃ طیبہ میں جا بجا نمایاں ہیں۔

سوال اور گداگری سے کراہت: سوال اور گداگری انسانی کردار کے لیے بے حد مضر ہے: اس سے احساس خودداری رفتہ رفتہ ماؤف ہوجاتا ہے۔ انسان تن آسان بن جاتا ہے۔ غیرت وحمیت کا آئینہ بے طرح مکدر ہوجاتا ہے۔ محنت ومشقت سے کسب حلال کے بجائے عجز والحاح سے مانگنے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے لوگوں میں عزائم امور کے لیے کوئی تڑپ اور کوئی والہیت باقی نہیں رہتی۔ جس قوم کے افراد عزائم امور کی لذت سے ناآشنا ہوجائیں، سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بامقصد زندگی کی لذت وصورت سے محروم ہوگئی۔

معذور یا واقعی ضرورت مند افراد کا معاملہ الگ ہے لیکن جو لوگ گداگری کو پیشہ بنا لیتے ہیں، وہ پورے معاشرے کے لیے باعث ننگ وعار بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گداگری کے انسداد پر بھی خاص توجہ فرمائی۔

ایک مرتبہ ایک انصاری نے سوال کیا۔ فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے۔ ایک بچھونے اور پیالے کا ذکر کیا۔ آپ نے دونوں چیزیں منگوائیں اور دو درم میں فروخت کردیں۔ پھر فرمایا ایک درم سے گھر میں کھانے کی جنس دے آؤ دوسری سے رسی وغیرہ خرید کر جنگل میں نکل جاؤ اور لکڑیاں لا کر بیچو۔ پندرہ روز کے بعد وہ انصاری آئے تو ان کے پاس دس درم تھے۔ کچھ کپڑا اور غلہ خریدا اور اسی طرح ایک بے کار آدمی معاشرے کا نہایت فعال رکن بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اچھا ہے یا یہ کہ اپنے چہرے پر گدائی کا داغ لگا کر روز قیامت حاضر ہوتے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اگر تم میں سے کوئی رسی لے کر آئے اور لکڑیاں کا گٹھا پشت پر اٹھا کر لائے اور فروخت کرے اور یوں اللہ اس کی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اسے دیں یا نہ دیں۔ حکیمؓ بن حزام کا اپنا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا۔ آپ نے دے دیا۔ پھر مانگا۔ پھر دے دیا اور فرمایا:

حکیم! یہ مال ہرا بھرا اور میٹھا ہے جو اسے سخاوت نفس کے ساتھ لے گا، اسے برکت ہوگی۔ جو نفس کی طمع سے لے گا، اسے برکت نہ ہوگی۔ اس کی کیفیت اس شخص کی سی ہوگی جو کھاتا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ **الید العلیا خیر من ید السفلیٰ**

(اونچا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے)

حکیمؓ نے پھر عمر بھر کسی سے کچھ نہ مانگا۔

پھر فرمایا: مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پیچھے پھرے۔ کہیں سے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور، دو کھجوریں مل جائیں تو دوسرے دروازے پر چلا جائے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہیں کہ ضروریات سے بے نیاز کردے۔ نہ کوئی اس کا حال جانتا ہے کہ صدقہ دے۔ نہ وہ اٹھ کر لوگوں سے کچھ مانگتا ہے۔ ایک موقع پر تین چیزوں کو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ قرار دیا۔

قیل وقال واضاعة المال وکثرہ السوال

فضول باتیں، مال ضائع کرنا اور زیادہ مانگنا۔

یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اللہ سے دعا کرے کہ اسے سوال و گداگری کی ذلت سے بچایا جائے تو اللہ بچا دیتا ہے۔ جو خدا سے غنا کا طلب گار ہو، اللہ اسے غنا مرحمت فرماتا ہے جو شخص صبر کرتا ہے اللہ اسے صابر بنا دیتا ہے اور صبر سے بہتر و وسیع تر دولت کوئی نہیں جو کسی کو دی گئی ہو۔

جود وسخا: ابن عباسؓ کی روایت ہے: کان النبی صلی الله علیه وسلم اجود الناس واجود مایکون فی رمضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت کا ظہور سب سے بڑھ کر رمضان شریف میں ہوتا تھا۔

حدیہ ہے کہ: ماسئل النبی صلی الله علیه وسلم عن شئی قط فقال لا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی کہ آپ نے جواب میں ''لا'' یعنی کلمہ نفی فرمائی ہو۔

ایک مرتبہ کسی نے کچھ مانگا۔ فرمایا: اس وقت میرے پاس کچھ نہیں، تم میرے ساتھ آؤ۔

حضرت عمرؓ ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا: جب آپ کے پاس کچھ نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے۔ ایک اور صاحب بھی تھے، وہ بولے یا رسول اللہ! آپ دیتے جائیں۔ عرش والا خدا آپ کو محتاج نہ کرے گا۔

یہ سن کر آپ فرط بشاشت سے مسکرا دیئے۔

ایک مرتبہ کوئی چار اوقیہ چاندی نذر کر گیا۔ تین اوقیے تو تین ضرورت مندوں کو دے دیے۔ چوتھا لینے والا کوئی نہ آیا۔ رات کے وقت حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہیں آئی۔ کبھی اٹھتے ہیں اور نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ذرا لیٹ کر اٹھتے ہیں اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: آپ آرام کیوں نہیں فرماتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی نکال کر دکھائی اور فرمایا مجھے ڈر رہے۔ مبادا یہ میرے پاس ہو اور موت آجائے۔

ایک مرتبہ ابوذر غفاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ فرمایا: ابوذرؓ اگر کوہ احد میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک بھی دینار باقی ہو، بجز اس رقم کے جو ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑوں۔

احد بہت بڑا پہاڑ ہے۔ وہ سونے کا بن جائے تو اسے ایک دن میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ کم از کم تین دن ضرور لگیں گے۔ ساتھ ہی قرض ادا کرنے کی اہمیت بھی واضح فرمادی اور ارشاد گرامی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی فیاضی اور سخاوت کے باعث مقروض رہتے تھے۔ کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتی تھی تو جب تک تقسیم نہ فرمادیتے مضطرب رہتے۔ ایسے متعدد واقعات کتب حدیث میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

آخر میں حضرت عائشہؓ کا یہ جامع ارشاد پیش نظر رکھ لیجئے ما ترک رسول اللہ صلی الله علیه وسلم دینارا ودرهما ولا شاة ولا بعیر ولا اوصی بشئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت کے وقت کوئی دینار اور کوئی درہم اور کوئی بکری یا کوئی اونٹ نہ چھوڑا اور نہ کسی شے کے لیے وصیت فرمائی۔

جب باقی ہی کچھ نہ رہا تو وصیت کی کیا صورت تھی؟

سادگی اور بے تکلفی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ سادگی اور بے تکلفی میں گزری۔ کسی قسم کے لوازم امارت وغنا اپنے گرد جمع نہ کیے۔ لباس، بستر، کھانا غرض ہر چیز عمر بھر بہت سادہ رہی۔ چٹائی، معمولی فرش یا زمین پر بیٹھنے میں کبھی تکلف محسوس نہ ہوا۔ عدی بن حاتمؓ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی پتی بھری ہوئی تھی، وہی عدیؓ کی طرف کھسکا دیا خود زمین پر بیٹھ گئے۔ عدیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو گدے پر بیٹھنا خلاف ادب سمجھا۔ چنانچہ دوران گفتگو میں گدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عدی کے درمیان پڑا رہا۔ فرمایا کرتے تھے، گھر میں ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔

ازواج مطہراتؓ کے لیے جو مکان بنوائے تھے وہ دس دس بارہ بارہ فٹ کے کچے حجرے تھے۔ جن میں سے بعض کی دیواریں کچی تھیں اور بعض کے لیے کھجور کی ٹہنیاں کھڑی کرکے اوپر سے لپائی کردی گئی تھی۔ کھجور کی شاخوں کی چھتیں تھیں۔ اونچائی اتنی کہ آدمی کھڑا ہو کر ہاتھ اوپر اٹھائے تو چھت کو جا لگے۔ عبدالملک اموی کے عہد میں توسیع مسجد نبوی کے لیے ان حجروں کو منہدم کرانا ضروری سمجھا گیا تو اہل مدینہ بے اختیار رو رہے تھے۔ ان کی آرزو یہ تھی کہ یہ حجرے محفوظ رکھے جاتے تا کہ دنیا

دیکھتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر کس سادگی ، بے تکلفی اور زہد وقناعت میں دن گزارے۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں کھانے کے لیے بلایا گیا۔ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ دیواروں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ باہر ہی سے واپس ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے مراجعت کا سبب پوچھا تو فرمایا: پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ زیب وزینت والے کسی مکان میں داخل ہو۔اسی قسم کا واقعہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ کو بھی پیش آیا۔ آپ کسی غزوے کے سلسلے میں مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے مکان کی چھت کے ساتھ ایک کپڑا باندھ دیا۔ واپس تشریف لائے اور چھت میں بندھا ہوا کپڑا دیکھا تو اسے اتار دیا۔ فرمایا: خدا نے ہمیں اس لیے دولت نہیں دی کہ اینٹوں اور پتھروں کو کپڑے پہنچائیں۔

ایک مرتبہ کسی نے کمخواب کی قبا ہدیۃً بھیجی۔ آپ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی۔ پھر اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی۔ وہ روتے ہوئے آئے کہ جو چیز آپ نے ناپسند فرمائی، وہ مجھے عطا کی، فرمایا: پہننے کے لیے نہیں فروخت کردینے کے لیے بھیجی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں فروخت کردیا۔

صبر وحلم: صبر وحلم اور عفو ودرگزر کے باب میں صرف اسی امر کا اعادہ کافی ہے کہ آپ نے عمر بھر کسی سے ذاتی بدلا نہ لیا۔ سب کو معاف فرماتے رہے۔

ایک یہودی کے آپؐ مقروض تھے۔ اگرچہ ادائے قرض کے وعدے میں تین روز باقی تھے، مگر یہودی ہمیشہ سے سرمایہ پرست چلے آرہے ہیں۔ وہ تین روز پہلے ہی آکر متقاضی ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو وحلم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی کہہ گزرا کہ عبدالمطلب کے خاندان کے لوگ بڑے نادہند ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی اس وقت موجود تھے، انھوں نے یہودی کو سختی سے جھڑک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: عمرؓ! تمھیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس شخص کے ساتھ اور طرح کا برتاؤ کرتے۔ مجھے حسن ادا کے لیے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھاتے۔ پھر یہ فرماتے ہوئے کہ اگرچہ وعدہ پورا ہونے میں ابھی تین روز باقی ہیں لیکن حضرت عمرؓ سے کہا کہ اس کا قرض ابھی ادا کردو اور بیس صاع (قاضی سلیمان مرحوم فرماتے ہیں کہ صاع ہمارے ہاں کے اوزان کے مطابق دو سیر ساڑھے تین چھٹانک کا ہوتا ہے۔ یہی واقعہ یہودی کے اسلام کا باعث بنا۔ اس نے نبی موعود کے حلم کے مطابق جو کچھ سن رکھا تھا اس کی آزمائش کے لیے یہ حرکت کی تھی) جنس زیادہ دینا کیونکہ تم نے اسے سختی سے ڈانٹا تھا۔

روٴسائے طائف نے دعوت اسلام کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سلوک کیا تھا، وہ بیان ہو چکا ہے۔ اوباشوں کو برانگیختہ کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسوائے۔ خود آپؐ کا ارشاد ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ میرے پاس آیا کہ حکم ہو تو دونوں طرف کے پہاڑ ان پر الٹ دوں۔ فرمایا: نہیں مجھے امید ہے کہ ان کے اخلاف میں سے وہ لوگ اٹھیں گے جو خدائے واحد کو مانیں گے۔

غزوۂ احد میں دندان مبارک ٹوٹ گئے اور آپؐ زخمی ہوگئے۔ مگر یہی دعا فرمائی کہ اے خدا میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا، وہ حقیقت حال سے نا آشنا ہیں۔

خطبہ حج میں آپ نے ایام جاہلیت کے خون اور قرضے ختم کردیئے تو سب سے پہلا اپنے خاندان کا خون اور اپنے خاندان میں سے حضرت عباسؓ کا قرضہ ختم کیا۔

عام خصائل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن معاملہ، عدل وانصاف، مہمان نوازی کے معیار قائم کیے۔ آپ شرم وحیا، عزواستقلال اور شجاعت کا پیکر تھے۔ عائلی زندگی کا بہترین نمونہ حضورؐ نے پیش کیا اور ازواج سے اچھے برتاؤ کے بارے میں بار بار تاکید فرمائی۔ فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اہل خانہ کے لیے بہتر ہے۔ چرند وپرند سب پر شفقت فرماتے۔ دوسروں کے کام کردینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے اور اس میں ادنی اعلی کی کوئی تمیز نہ تھی۔ کسی کا بھی احسان لینا گوارا نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جاں نثاری کا دعویٰ کون کرسکتا ہے جن کے لیے فرمایا کہ ان کے مال اور صحبت کا میں سب سے زیادہ ممنون ہوں۔ تاہم ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے جو ناقہ آپ کے لیے پالی تھی، وہ نذر کرنی چاہی تو آپ نے قیمت دے کر خریدی۔ مسجد النبیؐ کی زمین مالک اور ان کے سرپرست ہبہ کردینے پر اصرار کرتے رہے مگر آپ نے قیمت دے کر لی۔

ادائے عبادات میں بھی سہولت عامہ بطور خاص ملحوظ خاطر رہتی تھی۔ حضرت معاذؓ بن جبل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ نماز فجر میں لمبی سورتیں پڑھتے ہیں تو فرمایا: تم میں سے جو نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں بوڑھے، ضعیف اور کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ زیادہ مدح نہ ستائش بھی پسند نہ تھی۔ آپؐ وضو فرماتے تو صحابہ دست مبارک سے گرنے والے پانی کو چلو میں لے کر برکت کے لیے بدن پر مل لیتے۔ پوچھا ایسا کیوں کررہے ہیں۔ عرض کیا خدا اور رسولؐ کی محبت میں فرمایا: اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے تو چاہیے کہ جب وہ بات کرے، سچ بولے۔ جب اسے کوئی امانت سونپی جائے تو اس کا حق ادا کرے اور کسی کا پڑوسی ہے تو حق ہمسائیگی اچھی طرح نباہے۔

بعض اہم ارشادات: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اہم ارشادات یہاں درج کیے جاتے، جن سے اسلام کی تعلیم اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

۱۔تم میں سے جب کوئی شخص کسی کا مال اور صورت میں برتر وافضل دیکھے

تو چاہیے کہ اس کی طرف بھی دیکھ لے جو دیکھنے والے سے کمتر اور نیچے ہے۔ افضل و برتر کو دیکھنے سے دل میں حسد پیدا ہوگا جو گونا گوں برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ کمتر شخص کو دیکھنے سے شکر کا جذبہ ابھرے گا جو نیکیوں کا وسیلہ ہے۔

۲۔ تو مسلمانوں کو باہم رحم، محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھے گا، جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے لیے پورا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ پکارتا ہے۔

سعدی نے اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

چوعضوے بہ درد آورد روزگار　　　　وگر عضوہا را نہ ماند قرار

۳۔ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے۔

۴۔ آپس میں بغض نہ رکھو، باہم تعلقات نہ توڑو اور اللہ کے بندو، بھائی بھائی ہو جاؤ۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔

۵۔ سچائی اور راست بازی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے۔ انسان برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ صدیق ہو جاتا ہے (اسی طرح) جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ برائی آگ میں پہنچاتی ہے۔ انسان برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔

۶۔ شہ زوری دوسرے کو پچھاڑ نا نہیں، شہ زور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

کسی فارسی شاعر نے ہمارے عہد کی حالت کا نقشہ کیا خوب کھینچا۔

دستے کہ عنان خویش گیرد　　　　امروز بہ آستین کس نیست

۷۔ راست روی اختیار کرو، باہم محبت بڑھاؤ اور لوگوں کو خدا کی طرف سے بشارت پہنچاؤ۔ تنہا عمل تو کسی کو بھی جنت میں نہ لے جائے گا۔

۸۔ جو شہرت کے لیے کام کرے گا، اللہ اسے فضیحت دے گا، جو ریا کے لیے کام کرے گا اللہ اس کی اصل حقیقت لوگوں کو دکھا دے گا۔

۹۔ خبردار! بدگمانی کو اپنی عبادت نہ بنانا۔ بدگمانی تو جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ بے بنیاد باتوں پر کان نہ لگاؤ۔ دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔

۱۰۔ اسیروں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ بیماروں کی عیادت کرو۔

۱۱۔ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو، انھیں تنگی اور سختی میں نہ ڈالو، خوشخبری اور بشارت سناؤ، نفرت نہ دلاؤ۔ مل جل کر رہو۔

۱۱۔ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو، انھیں تنگی اور سختی میں نہ ڈالو، خوشخبری اور بشارت سناؤ، نفرت نہ دلاؤ۔ مل جل کر رہو۔

۱۲۔ وہ نعمتیں ہیں، جن کی قدر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اول تندرستی دوم فراخ دستی۔

۱۳۔ تم میں سے کوئی موت کی خواہش نہ کرے۔ نیک آدمی تو اس لیے کہ شاید وہ اور نیک کام کرے اور بد اس لیے کہ شاید وہ معافی مانگ لے۔

پانچ مذموم خصلتیں:

پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تم پر نازل ہوں تو میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ خصلتیں تم لوگ اختیار کرو۔

ا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم میں فواحش کا ظہور اس حد پر پہنچ گیا ہو کہ لوگ علانیہ ان کا ارتکاب کرنے لگیں اور اس قوم میں طاعون اور ان بیماریوں کا ظہور نہ ہوا ہو، جو ان کے باپ دادا میں موجود نہ تھیں۔

ب۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے ناپ اور تول میں کمی شروع کی ہو اور اس قوم کو قحط سالی، گرانی، سخت محنت و مشقت اور حکمرانوں کے ظلم و جور نے گرفت میں نہ لیا ہو۔

ج۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے اپنے اموال میں سے زکوۃ دینا بند کیا ہو اور اسے آسمان سے ہونے والی بارش سے محروم نہ کر دیا گیا ہو۔ اگر بہائم نہ ہوں تو بارش بالکل روک دی جائے۔

د۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑا ہو اور اس پر اغیار کو دشمن بنا کر مسلط نہ کر دیا گیا ہو اور وہ اس قوم کے اموال کا ایک حصہ نہ چھین لیں۔

۸۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم کے پیشواؤں اور رہنماؤں نے کتاب اللہ کے مطابق حکومت سے اعراض کر کے خدائی احکام کے خلاف زبردستی اپنے احکام نافذ کرنا شروع کیے ہوں اور اللہ نے اس قوم کے اندر جدال و قتال اور دشواریاں نہ پیدا کی ہوں۔　　　　(رسول رحمت)

مولانا علی اختر امان اللہ مکی

اقوام کی بقا میں اخلاق کا اثر

بلاشبہ اخلاق وہ بنیاد ہیں جن پر تہذیبیں قائم ہوتی ہیں اور جن کے ذریعے افراد اور معاشروں کی زندگی درست رہتی ہے۔ تاریخ کے دوران اقوام نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ ان کی اصل قوت نہ مال میں ہے اور نہ ہتھیاروں میں، بلکہ ان اقدار اور اخلاق میں ہے جو ان کے افراد اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے: اقوام کی بقا اخلاق سے ہے جب تک ان کے اخلاق باقی رہتے ہیں وہ باقی رہتی ہیں، اور جب ان کے اخلاق ختم ہو جاتے ہیں تو وہ بھی مٹ جاتی ہیں۔

قرآنِ کریم میں اخلاق: قرآنِ کریم نے واضح کیا ہے کہ اخلاق انسان اور معاشرے کی اصلاح کی بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّـهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل:90) یہ آیت عدل، احسان، نیکی اور صلہ رحمی جیسے اخلاقی اصولوں کو جمع کرتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم:4) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی سب سے عظیم صفات میں سے ایک آپ کے بلند اخلاق کو قرار دیا، جس سے اسلام میں اخلاق کی بلند منزلت ظاہر ہوتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف:199) یہ آیت لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک مکمل اخلاقی طریقہ بتاتی ہے۔

سنتِ نبوی میں اخلاق: نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی اخلاق کو کامل کرنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کو مکمل کروں۔'' (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں فرمایا: ''مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔'' (ترمذی) اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔'' (ابوداؤد، ترمذی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق اسلام میں کوئی ثانوی چیز نہیں بلکہ ایمان کے کمال اور آخرت کی کامیابی کا اہم سبب ہیں۔

سچا دوست ایک قیمتی خزانہ

دوستی انسانی زندگی کے اہم ترین تعلقات میں سے ایک ہے۔ یہ محبت، وفاداری اور نیکی میں باہمی تعاون پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن سچے دوست کی حقیقت صرف خوشحالی اور آسانی کے وقت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ آزمائش اور سختی کے وقت واضح ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ آسودگی کے دنوں میں انسان کے گرد جمع ہوتے ہیں، لیکن جب مصیبت آتی ہے تو بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور صرف سچے اور مخلص دوست باقی رہتے ہیں۔ اسی لیے اہلِ حکمت کہتے ہیں: دوست مشکل کے وقت پہچانا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے نیک دوست اختیار کرنے کی اہمیت بیان کی ہے اور واضح کیا ہے کہ حقیقی دوستی وہی ہے جو ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الزخرف:67) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوستیاں جو دنیاوی مفادات یا خواہشاتِ نفس پر قائم ہوتی ہیں قیامت کے دن دشمنی میں بدل جائیں گی، جبکہ متقی لوگوں کی دوستی باقی رہے گی کیونکہ وہ اللہ کی اطاعت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآنِ کریم نے برے دوست سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا (الفرقان:27-28) یہ آیت قیامت کے دن انسان کی ندامت کو بیان کرتی ہے کہ وہ برے دوست کی وجہ سے گمراہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست کا انسان کی زندگی میں کتنا اثر ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اچھے دوست کی اہمیت بیان فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرء على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل (رواہ ابوداؤد و ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے دوست کے دین اور اخلاق سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ نیک اور صالح دوست اختیار کرے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور برے دوست کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: مثل الجليس الصالح والجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير (متفق علیہ) یعنی نیک ساتھی کی مثال مشک بیچنے والے کی طرح ہے کہ یا تو وہ تمہیں اس میں سے کچھ دے دے گا یا تم اس کی خوشبو حاصل کرو گے، جبکہ برے ساتھی کی مثال لوہار کی بھٹی پھونکنے والے کی طرح ہے کہ یا تو وہ تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس کی بدبو سے متاثر ہوگے۔ سیرتِ نبویؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی میں وفاداری کی مثالیں: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سچی دوستی اور وفاداری کی بہترین مثالیں پیش کیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفادار دوست کی روشن مثال ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

حج کے احکام ومسائل

مولانا محمد شمس الحق عبدالحق سلفی

حج: (۱) حج کرنے کا ابتدائی طریقہ یہ ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو میقات سے احرام باندھیں، اگر میسر ہو تو غسل کرلیں اور احرام کا لباس پہن لیں، اور یہ دعا پڑھیں۔**لبیک حجا، لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک** اے اللہ! حج کے لیے حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، تیرے پاس حاضر ہوں، بے شک تعریف، نعمت اور ملک تیرا ہی ہے، اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔(صحیح بخاری 1549 صحیح مسلم 1218)

مرد حضرات احرام کے وقت (احرام باندھنے سے قبل) خوشبو لگا سکتے ہیں، یعنی بدن وغیرہ میں نہ کہ احرام کے کپڑے میں **عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت اطیب رسول الله صلی الله علیه وسلم باطیب ما اقدر علیه قبل ان یحرم.**

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسب مقدور سب سے عمدہ خوشبو لگایا کرتی تھی اور پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے تھے.(صحیح بخاری 5928 صحیح مسلم 1189)

(2) پھر منیٰ کی طرف نکلیں اور وہاں ظہر عصر مغرب عشاء اور فجر کی نماز قصر کے ساتھ پڑھیں، یعنی چار رکعت والی نماز کو دو دو رکعت پڑھیں۔

(3) جب سورج طلوع ہو جائے تو عرفہ کی طرف روانہ ہو جائیں، اور ظہر اور عصر کی نماز جمع تقدیم کے ساتھ دو دو رکعت پڑھیں اور عرفہ میں سورج غروب ہونے تک ٹھہرے رہیں، اور قبلہ کا استقبال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ذکر واذکار، دعاؤں اور استغفاروں میں مشغول رہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عرفہ کی بہترین دعا یہ ہے **لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شئی قدیر**

اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔(جامع ترمذی 3585 حکم الحدیث حسن الموسوعہ)

(4) سورج غروب ہو جائے تو عرفہ سے مزدلفہ کی طرف کوچ کریں، اور وہاں یعنی مزدلفہ میں مغرب عشاء کی نماز جمع بین الصلاتین کر کے قصر کے ساتھ نماز پڑھیں، اور فجر کی نماز پڑھیں، پھر ذکر واذکار کے لیے طلوع شمس تک ٹھہرے رہیں، حجاج کرام کے لیے یہی سنت ہے کہ نماز فجر مزدلفہ ہی میں پڑھیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر مزدلفہ ہی میں باجماعت ادا فرمائے، سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب طلوع فجر کا وقت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔(صحیح مسلم 1218) ضعیفوں، بیماروں، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو رات میں مزدلفہ سے منی جانے کی اجازت ہے۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل خانہ کے کمزوروں کے ساتھ مزدلفہ کی رات آگے منیٰ بھیجا تھا۔

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھاری بھرکم خاتون تھیں، اس لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کے وقت مزدلفہ سے منی روانہ ہونے کی اجازت طلب کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔(صحیح مسلم 1290)

تاکہ لوگوں کے ازدحام سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی کرسکیں۔

(5) جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہو جائے تو مزدلفہ سے منی کی طرف روانہ ہو جائیں اور درج ذیل امور انجام دیں۔

(الف) جمرہ عقبہ کو، یہ جمرہ مکہ سے زیادہ قریب ہے سات کنکریاں پے در پے یکے بعد دیگرے مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہیں۔(ب) پھر قربانی کے جانور کو قربانی کریں، ان میں سے خود کھائیں اور فقراء پر تقسیم کریں، قربانی کا جانور متمتع اور قارن پر واجب ہے۔

(ج) اپنے سر کے بال مونڈیں یا کاٹیں، لیکن مونڈنا افضل ہے۔اور عورت ایک پور کے بقدر بال کاٹے۔اگر آسانی ہو تو یہ تینوں کام مذکورہ ترتیب کے مطابق انجام دیں۔یعنی پہلے رمی کریں، پھر ذبح کریں پھر حلق کرائیں، اگر ان امور میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، رمی جمار، حلق اور قصر کے بعد آپ حالت احرام کی تمام ممنوعات سے مستفید ہو سکتے ہیں سوائے ہم بستری کے، (کیونکہ حلت کبری کے بعد ہی بیوی آپ کے لیے حلال ہوگی۔)

(6) پھر مکہ کو جائیں، اور طواف افاضہ (حج کا طواف) اور صفا مروہ کی سعی کریں، اب طواف افاضہ کے بعد آپ کلی طور پر حلال ہو گئے ہیں۔اور حالت احرام

کی تمام اشیاء حتی کہ بیوی بھی آپ کے لیے حلال ہوگئی۔

(7) سعی اور طواف کے بعد آپ منی کی طرف نکلیں اور وہاں گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رات گزاریں۔

(8) صرف گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکری ماریں، پہلے جمرہ صغریٰ سے شروع کریں پھر وسطی پھر جمرہ عقبہ، ہر ایک کو سات سات کنکریاں پے در پے اللہ اکبر کہتے ہوئے مارے اور جمرہ صغریٰ اور جمرہ وسطی کی رمی کے بعد قبلہ رو ہو کر اللہ سے دعا مانگے۔ ان دو دنوں یعنی گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں زوال شمس سے پہلے رمی جمار جائز نہیں ہے۔

(9) جب آپ بارہویں ذی الحجہ کو رمی مکمل کرلیں اور اگر جلدی نکلنا چاہیں تو غروب شمس سے پہلے منی سے نکل جائیں، اگر چاہیں تو تاخیر کریں اور یہی افضل ہے۔ چنانچہ تاخیر کی صورت میں تیرہویں رات منی میں گزاریں اور زوال کے بعد اس دین بھی تینوں جمرات کو ویسے ہی کنکریاں مارے جیسا کہ بارہویں ذی الحجہ کو کنکری مارے تھے۔

طواف وداع: حجاج کرام منیٰ سے نکلنے کے بعد طواف وداع کے لیے مکہ مکرمہ جائیں، حج کے تمام ارکان واجبات ادا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجالاتے ہوئے حج کا آخری کام بیت اللہ کا طواف کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **لا ینفرن احد حتی یکون آخر عهده بالبيت** کوئی انسان واپسی کا سفر اختیار نہ کرے جب تک آخری وقت میں بیت اللہ کا طواف نہ کر لے۔ (صحیح مسلم 1327)

طواف وداع واجب ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ طواف نہیں کرے گا تو اس کے ذمہ ایک جانور کی قربانی ضروری ہے۔ لیکن حائضہ عورت کو طواف وداع کے بغیر مکہ چھوڑنے کی اجازت ہے **عن ابن عباس قال أمر الناس ان يكون آخر عهدهم بالبيت الا انه خفف عن المرأة الحائض** سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آخری وقت میں بیت اللہ کا طواف کریں، لیکن حیض والی عورت کو سہولت دی گئی کہ وہ طواف وداع کے بغیر جا سکتی ہے. (صحیح مسلم 1328) الحمدللہ اس طرح آپ کا حج مکمل ہو چکا۔

(7) **ارکان حج چار ہیں**:

(1) احرام۔ (2) وقوف عرفہ۔ (3) طواف زیارت۔ (4) سعی بین الصفا والمروہ۔ ان میں سے کوئی بھی رکن ادا نہ کرنے سے حج نہیں ہوتا ہے۔

(8) **حج کے واجبات سات ہیں**:

(1) میقات سے احرام باندھنا۔ (2) نویں ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ کو مغرب تک میدان عرفات میں وقوف کرنا۔ (۳) دسویں ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گزارنا۔ (۴) ایام تشریق کی راتیں منی میں گزارنا۔ (۵) جمرات کو کنکریاں مارنا۔ (۶) جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد بال وغیرہ کاٹنا۔ (۷) طواف وداع کرنا۔

واجبات حج میں سے کوئی واجب ادا نہ کرنے پر ایک دم قربانی لازم ہوتی ہے۔

(9) **محرمات احرام**: میقات سے احرام باندھنے کے بعد حج یا عمرہ کرنے والے پر مندرجہ ذیل چیزیں حرام ہوجاتی ہیں۔

(۱۰) **بال یا ناخن کا کاٹنا**: حالت احرام میں سر یا جسم کے کسی حصہ سے بال کاٹنا جائز نہیں۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے **وَلاَ تَحْلِقُواْ رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ** اور سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے (سورہ بقرہ 196)

(۱۱) **سلا ہوا کپڑا پہننا**: مردوں کے لیے سلے ہوئے کپڑے شلوار قمیض، ٹوپی، شرٹ، پنجابی، پاجامہ وغیرہ پہننا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! نہ قمیض پہنو، نہ پگڑیاں باندھو، نہ شلوار پہنو، نہ سر پر ٹوپی پہنو، نہ موزے پہنو، ہاں اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو موزے پہن لے مگر انہیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے، اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس میں زعفران یا ورس خوشبو لگی ہوئی ہو۔ (صحیح بخاری 1542)

البتہ جوتا، انگوٹھی، چشمہ، ٹیلی اسکوپ Tele Scope (دوربین) گھڑی تھیلا یا بیگ وغیرہ کا پہننا یا لٹکانا جائز ہے۔

(۱۲) **سر ڈھانپنا**: مردوں کے لیے ٹوپی، رومال، شماغ غترہ وغیرہ استعمال کرنا اور عورتوں کے لیے نقاب اور دستانے پہننا منع ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ولا تنتقب المرأة الحرام ولا تلبس القفازين** ،، احرام والی عورت نقاب اور دستانے استعمال نہ کریں۔ (جامع ترمذی 833 حکم الحدیث صحیح الموسوعہ) البتہ اجنبی مرد کی موجودگی میں اپنے چہرے کو اوڑھنی وغیرہ سے چھپانا واجب ہے۔ جس طرح دیگر حالات میں واجب ہے۔

(۱۳) **خوشبو لگانا**: محرم کے لیے جسم یا کپڑے میں خوشبو لگانا جائز نہیں ہے، اور اگر احرام باندھنے سے پہلے جسم میں لگائی ہوئی خوشبو کا اثر باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ کپڑے میں اگر اثر ہے تو اس کا دھونا ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **ولا تلبسوا من الثياب شيئا مسه الزعفران ولا الورس** اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس میں زعفران یا ورس خوشبو لگی ہوئی ہو۔ (صحیح بخاری 134)

(۱۴) **حالت احرام میں جنسی افعال**: حالت احرام میں بیوی سے جماع کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا یا نافرمانی کا کام کرنا حرام ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا تو وہ اپنی بیوی سے جماع نہ کرے اور گناہ کی کوئی بات نہ کرے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے۔ (سورہ بقرہ 197)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی جنسی بات یا جنسی عمل نہیں کیا اور اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کی وہ (حج کے بعد اسی طرح گناہوں سے پاک ہوکر) اس دن کی طرح گھر واپس آتا ہے جس دن اس کی ماں نے اسے گناہوں سے پاک جنا تھا۔ (صحیح بخاری 2441)

(۱۵) **جنگلی جانوروں کا شکار کرنا**: حالت احرام میں خشکی کا شکار کرنا اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں، محرم ہر جگہ اور غیر محرم جب وہ حدود حرم میں ہو تو دونوں کے لیے خشکی کا شکار کرنا یا شکار کو بھگانا یا اس سلسلے میں تعاون کرنا سب حرام ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْتُلُواْ الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ اے ایمان والو احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔ (سورہ مائدہ 95)

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُماً اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لیے حرام کیا گیا جب تک کہ تم حالت احرام میں رہو (سورہ مائدہ 96)

(10) **حج کے لیے رزق حلال کی اہمیت**: اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو پاکیزہ اور متوازن بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ عبادت کے معاملہ میں بھی اسلام نہ صرف ظاہری اعمال بلکہ باطنی خلوص، نیت اور ذرائع کی پاکیزگی کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ انہی عبادت میں حج ایک عظیم عبادت ہے، جسے اسلام کے پانچ ارکان میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن اس مقدس سفر کی قبولیت کے لیے جہاں نیت کی خلوصیت ضروری ہے، وہیں رزق حلال کا استعمال بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔

رزق حلال کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں بھری پڑی ہے۔ قرآن کریم میں سورہ بقرہ میں اللہ تعالی ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُواْ لِلّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں، ان میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکریہ ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (سورہ بقرہ 172)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! یقیناً اللہ تعالی پاک ہے اور پاک مال کے سوا کوئی مال قبول نہیں کرتا. اللہ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا جس کا رسولوں (علیہم السلام) کو حکم دیا. اللہ تعالی نے فرمایا: اے پیغمبروں! (علیہم السلام) پاک چیزیں کھاؤ، اور نیک کام کرو، جو عمل تم کرتے ہو میں اسے اچھی طرح جاننے والا ہوں، اور فرمایا: اے مومنو جو پاک رزق ہم نے تمہیں عنایت فرمایا ہے، اس میں سے کھاؤ پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا، جو طویل سفر کرتا ہے، گرد آلود اور بکھرے بالوں والا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے، اے میرے رب، اے میرے رب، لیکن اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور پرورش حرام مال سے ہوئی تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟ (صحیح مسلم 1015)

یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ اگر انسان کا ذریعہ معاش حرام ہو تو اس کی دعائیں، عبادات اور قربانیاں اللہ تعالی کے ہاں شرف قبولیت نہیں پاتیں، چاہے وہ کیسی ہی ظاہری عاجزی وانکساری دکھائے۔

حج کے سفر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جہاد اصغر'' کہا ہے یہ سفر بذات خود قربانی، صبر اور خلوص کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن اگر اس سفر کا ایندھن حرام کمائی ہو تو یہ تمام عبادات محض جسمانی مشقت بن کر رہ جاتی ہے، عبادت اس وقت مقبول ہوتی ہے جب نیت خالص ہو اور مال پاک ہو۔

حج اور مالی وسائل: حج ایک ایسا عمل ہے جس میں انسان نہ صرف اپنا وقت، جسمانی توانائی، بلکہ مالی وسائل بھی خرچ کرتا ہے۔ اس لیے شریعت نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حج کے لیے خرچ کیا گیا مال حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حرام مال سے حج کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص گندا لباس پہن کر بادشاہ کے دربار میں جائے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حج جیسی عظیم عبادت کے لیے صرف حلال کمائی استعمال کرے، تاکہ عبادت نہ صرف ظاہری طور پر درست ہو، بلکہ اللہ کے ہاں بھی قبولیت پائے۔ حج کا اصل مقصد اللہ تعالی کی رضا، گناہوں کی معافی اور روحانی پاکیزگی حاصل کرنا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان کا مال نیت اور عمل پاکیزہ ہو۔

☆☆☆

اہم اطلاع

اطلاعاً عرض ہے کہ زیر نظر شمارہ میں مارچ کے شماروں کو بھی ضم کردیا گیا ہے اس لئے قارئین کرام شمارہ نمبر 5 اور 6 کے موصول ہونے کی شکایت نہ کریں۔

(ادارہ)

عمرہ کے مختصر احکام ومسائل

مولانا آصف تنویر تیمی

مسلمانان رجب کا چاند نمودار ہونے کے بعد رمضان کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ رمضان سے قبل شعبان کے مہینے میں سنت کے مطابق کثرت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے تاکہ رمضان کے فرض روزہ کی مشق ہو جائے۔ بے شمار خوش حال اور مستطیع افراد رمضان المبارک میں عمرہ کا قصد کرتے ہیں، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے مطابق رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ملتا ہے۔

لہٰذا ذیل میں کتاب وسنت کی روشنی میں عمرہ کے چند اہم احکام ومسائل کو مختصرا بیان کیا گیا ہے تاکہ عازمین بیت اللہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مشاہدہ یہ ہے کہ ان مسائل کے نہ جاننے کی وجہ سے زائرین سے بہت ساری غلطیاں صادر ہوتی ہیں اور اس طرح ان کی عبادت میں خلل واقع ہوجاتا ہے اور وہ اپنے عمل کے کامل اجر وثواب سے محروم ہوجاتے ہیں۔

عمرہ واجب ہے یا سنت؟ تمام علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ عمرہ شریعتِ اسلامیہ میں مشروع ہے اور بڑی فضیلت والا عمل ہے۔ چنانچہ راجح اور درست قول یہ ہے کہ عمرہ ہر اس مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے جو مکلّف ہو اور استطاعت رکھتا ہو۔ اہلِ علم کے اقوال میں سے صحیح بات یہی ہے کہ عمرہ مرد وعورت دونوں پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے، بشرطیکہ اس کی استطاعت ہو، بالکل اسی طرح جیسے حج فرض ہے۔ اس کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور حج اور عمرہ ادا کرو۔'' (اس حدیث کو دارقطنی اور ابن خزیمہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں، اور وہ حج اور عمرہ ہے۔'' معلوم ہوا کہ حج اور عمرہ دونوں مردوں اور عورتوں پر عمر بھر میں ایک مرتبہ واجب ہیں جب استطاعت حاصل ہو۔ اور اس حکم میں اہلِ مکہ اور دیگر تمام مسلمان یکساں ہیں۔

عمرہ کی فضیلت: عمرہ کی بہت بڑی فضیلت اور عظیم اجر ہے، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حجِ مبرور (قبول شدہ حج) کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔'' (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حج اور عمرہ کو پے در پے ادا کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کی میل کو ختم کر دیتی ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے، اور اگر وہ اس سے مغفرت طلب کریں تو اللہ انہیں بخش دیتا ہے۔'' (سنن ابن ماجہ) یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عمرہ نہایت عظیم عبادت ہے، جو گناہوں کی معافی، فقر کے خاتمے اور اللہ تعالیٰ کی خاص مہمانی کا ذریعہ بنتی ہے۔ جیسے بھٹی لوہے کی میل کو ختم کر دیتی ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حجِ مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔'' (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

طواف اور مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے آداب: حاجی یا معتمر کو چاہیے کہ تلبیہ کی کثرت کرے، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا مانگتا رہے، یہاں تک کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) تک پہنچ جائے۔ جب وہ بیت اللہ پہنچ جائے تو تلبیہ کہنا بند کر دے۔ جب مسجدِ حرام میں داخل ہو تو دایاں پاؤں آگے رکھے اور یہ دعا پڑھے: ''**بسم الله، والصلاة والسلام على رسول الله، أعوذ بالله العظيم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم، اللهم افتح لي أبواب رحمتك.**'''' ''اللہ کے نام سے (داخل ہوتا ہوں)، اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر۔ میں شیطانِ مردود سے اللہ عظیم، اس کے بزرگی والے چہرے اور اس کی قدیم سلطنت کی پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔

جب کعبہ کے قریب پہنچے تو حجرِ اسود کی طرف بڑھے، اگر ممکن ہو تو اسے بوسہ دے اور اپنے دائیں ہاتھ سے چھوئے۔ اگر بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو حجرِ اسود کی طرف اشارہ کرے اور کہے: ''**بسم الله، والله اكبر**''.

لوگوں کو دھکا دینا یا ایذا پہنچانا جائز نہیں۔ اگر بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا مشکل ہو تو دور سے اشارہ کرے اور صرف ''اللہ اکبر'' کہے، اور جو چیز اس کے لیے ممکن نہ ہو، اس کا بوسہ نہ دے۔ طواف کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ طواف کرنے والا حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر سے پاک ہو، کیونکہ طواف نماز کے مشابہ ہے، البتہ اس میں گفتگو کی

اجازت دی گئی ہے۔

معتمر کعبہ کو بائیں جانب رکھتے ہوئے سات چکر لگائے۔اور جب رکنِ یمانی کے پاس پہنچے تو اگر ممکن ہو تو اسے دائیں ہاتھ سے چھوئے اور یہ کہے: ”بسم اللہ، واللہ اکبر“۔

طواف کے دوران دعا اور اذکار: طواف کرنے والے کے لیے یہ بات مشروع ہے کہ وہ طواف کے تمام چکروں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، تلاوتِ قرآن کرے، درود شریف پڑھے اور جو چاہے دعا مانگے۔ یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ طواف کے ہر چکر کے لیے کوئی مخصوص دعا نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ لہٰذا جو شخص ہر چکر کے لیے الگ الگ مخصوص دعائیں مقرر کر لیتا ہے، اس کا یہ عمل سنت سے ثابت نہیں۔ البتہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا پڑھنا ثابت ہے: ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“۔ ”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے“۔ اگر کوئی شخص خاموشی سے طواف کرے، یا صرف دل ہی دل میں دعا مانگتا رہے، تب بھی اس کا طواف درست ہے۔

مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز: جب معتمر طواف کے سات چکر مکمل کر لے تو سنت یہ ہے کہ وہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرے، اگر وہاں ممکن ہو، ورنہ مسجدِ حرام میں کسی بھی جگہ ادا کر سکتا ہے۔ ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورہ الکافرون پڑھنا اور دوسری رکعت میں سورہ الاخلاص پڑھنا سنت ہے۔ نماز کے بعد آبِ زمزم پینا مستحب ہے، اور اسے کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔ پینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، کیونکہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے اسی کے مطابق فائدہ دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر آسان ہو تو حجرِ اسود کے پاس جا کر دوبارہ اسے بوسہ دے یا اس کی طرف اشارہ کرے اور ”اللہ اکبر“ کہے۔

صفا اور مروہ کی طرف روانگی: جب معتمر مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کر لے اور زمزم پی لے، تو اب وہ صفا کی طرف روانہ ہو۔ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھے: ”إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ“ ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“ پھر یہ کہے: ”نبدأ بما بدأ الله به“ یعنی: ہم اسی سے شروع کرتے ہیں جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔ اس کے بعد صفا پر چڑھے، یہاں تک کہ کعبہ نظر آ جائے (اگر ممکن ہو)، قبلہ رخ ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کرے، تکبیر کہے، تہلیل پڑھے اور دعا مانگے۔ نبی ﷺ صفا پر یہ اذکار فرماتے تھے: ”الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، لا إله إلا الله وحده، أنجز وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده.“

صفا اور مروہ کے درمیان سعی: صفا سے مروہ کی طرف چلنا شروع کرے۔ عام حالت میں معمول کی چال چلے، اور دو سبز نشانیوں کے درمیان مرد تیز چلے (عورتوں کے لیے تیز چلنا نہیں)۔ جب مروہ پر پہنچے تو وہی عمل کرے جو صفا پر کیا تھا قبلہ رخ ہو کر اللہ کا ذکر کرے، دعا مانگے، اور تکبیر و تہلیل کہے۔ اس طرح صفا سے مروہ جانا ایک چکر اور مروہ سے صفا واپس آنا دوسرا چکر شمار ہوگا۔ یوں سات چکر پورے کیے جائیں گے، اور آخری چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ سعی کے دوران بھی کوئی مخصوص دعا مقرر نہیں، معتمر جو چاہے دعا مانگ سکتا ہے، ذکر کر سکتا ہے یا قرآن پڑھ سکتا ہے۔

سعی کے بعد بال منڈوانا یا کٹوانا: جب معتمر صفا اور مروہ کے درمیان سعی مکمل کر لے تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ بال منڈوائے یا کٹوائے، کیونکہ یہ عمرہ کے ارکان میں سے ہے۔ مردوں کے لیے: سر منڈوانا (حلق) افضل اور بہتر ہے۔ اگر کوئی منڈوانا نہ چاہے تو بال چھوٹے کرا لے (تقصیر) نبی ﷺ نے بال منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی، اور بال کٹوانے والوں کے لیے ایک مرتبہ۔ عورت کے لیے سر منڈوانا جائز نہیں، وہ صرف ایک پور کے برابر بال کاٹ لے، اسی عمل کے ساتھ عمرہ مکمل ہو جاتا ہے، اور اب معتمر پر سے احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

شرط کے ساتھ احرام باندھنے کا حکم: اگر کوئی شخص احرام باندھتے وقت بیماری، کمزوری یا کسی رکاوٹ کا اندیشہ رکھتا ہو، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ احرام میں شرط لگا لے۔ وہ نیت کے وقت یہ کہے: ”فإن حبسني حابس فمحلي حيث حبستني“ اگر مجھے کسی وجہ سے روکا گیا، تو جہاں تو مجھے روکے، وہیں میرا احرام کھل جائے گا۔ یہ شرط لگانا سنت سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ضُباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے، کہ انہوں نے نبی ﷺ سے اپنی بیماری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے انہیں یہی شرط لگانے کا حکم دیا۔ ایسی صورت میں اگر معتمر کو واقعی روک دیا جائے تو وہ بغیر کسی فدیہ کے احرام کھول سکتا ہے۔

احرام کے کپڑوں کے بارے میں احکام: معتمر کے لیے احرام کے کپڑوں کے بارے میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ احرام کوئی خاص لباس نہیں بلکہ یہ ایک شرعی حالت ہے۔ مردوں کے لیے احرام میں دو بغیر سلے ہوئے کپڑے پہننا سنت ہے۔ ایک کپڑا تہبند کے طور پر، دوسرا چادر کے طور پر، ان کے علاوہ سلے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں، جیسے قمیص، پاجامہ، پگڑی وغیرہ۔ عورت اپنے عام سادہ کپڑے پہن سکتی ہے، اس کے لیے کوئی مخصوص رنگ مقرر نہیں، البتہ نقاب اور دستانے احرام کی حالت میں نہیں پہن سکتی، یہ بھی جائز ہے کہ احرام کے کپڑوں کو اتارا جائے، دھویا جائے، یا بدلا جائے، بشرطیکہ احرام کی حالت میں ممنوع امور سے اجتناب کیا جائے۔

احرام کی حالت میں ممنوع امور: احرام کی حالت میں چند امور ممنوع ہیں، جن

سے بچنا لازم ہے: مرد وعورت دونوں کے لیے: خوشبو لگانا (جسم یا کپڑوں پر)، ناخن کاٹنا، بال کاٹنا یا اکھاڑنا، نکاح کرنا یا نکاح پڑھانا، بیوی سے جماع یا اس کے مقدمات، خشکی کے شکار کا شکار کرنا۔ خاص طور پر مردوں کے لیے سر ڈھانپنا، سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ عورتوں کے لیے چہرے پر نقاب پہننا، ہاتھوں میں دستانے پہننا، اگر کوئی شخص بھول کر، لاعلمی میں یا مجبوری کے تحت ان میں سے کوئی کام کر لے۔ تو اس پر گناہ نہیں، لیکن اگر جان بوجھ کر کرے تو شرعی حکم کے مطابق فدیہ لازم آئے گا۔

احرام کی حالت میں خوشبو اور غسل کا حکم: احرام کی حالت میں خوشبو لگانا ممنوع ہے، خواہ وہ بدن پر ہو یا کپڑوں پر۔ البتہ احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا جائز بلکہ سنت ہے، جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ اگر احرام کی حالت میں کسی شخص کو: گرمی کی شدت ہو، پسینہ زیادہ آئے، یا صفائی کی ضرورت محسوس ہو، تو وہ غسل کرسکتا ہے، سر اور جسم دھوسکتا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ خوشبو استعمال نہ کرے، بال نہ کاٹے یا نہ گرائے (جان بوجھ کر)، اگر غسل کے دوران بغیر قصد کے کچھ بال گر جائیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

احرام کی حالت میں کپڑے بدلنے اور سایہ کرنے کا حکم: معتمر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ: احرام کے کپڑے اتارے، انہیں دھوئے، یا صاف کپڑوں سے بدل لے، یہ سب امور شرعاً جائز ہیں، کیونکہ احرام کا تعلق لباس سے نہیں بلکہ نیت اور حالت سے ہے۔ اسی طرح احرام کی حالت میں چھتری کے نیچے چلنا، گاڑی یا بس میں سوار ہونا، خیمے یا عمارت کے سائے میں بیٹھنا، یہ سب جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح گھڑی، عینک، انگوٹھی، بیلٹ (کمر بند)، استعمال کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ان میں خوشبو نہ لگی ہو۔

احرام کی حالت میں شکار اور فدیہ کے احکام: احرام کی حالت میں خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے، خواہ شکار خود کرے یا کسی اور کی مدد کرے۔ اسی طرح شکار کی طرف اشارہ کرنا یا اس کی رہنمائی کرنا بھی ممنوع ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر احرام کی حالت میں شکار کرے تو اس پر فدیہ لازم آتا ہے، جس کی تفصیل قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہے۔ اور اگر بھول کر یا لاعلمی میں ایسا ہو جائے تو اس پر گناہ نہیں، البتہ بعض صورتوں میں فدیہ پھر بھی واجب ہوتا ہے۔ البتہ مچھر، مکھی، کھٹمل، جوئیں اور اس طرح کے ایذا دینے والے کیڑے مارنا جائز ہے، کیونکہ ان میں انسان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

عمرہ میں ترتیب اور موالات کا حکم: عمرہ کے اعمال میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے، یعنی: 1. احرام باندھنا 2. طواف کرنا 3. صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا 4. بال منڈوانا یا کٹوانا۔ ان اعمال کو اسی ترتیب سے ادا کرنا واجب ہے، اور اگر کسی نے جان بوجھ کر ترتیب بدل دی تو اس کا عمرہ صحیح نہیں ہوگا، جب تک وہ صحیح ترتیب کے مطابق دوبارہ عمل نہ کرے۔ اسی طرح عمرہ کے اعمال میں موالات (یعنی ایک عمل کے بعد بلا وجہ طویل وقفہ نہ کرنا) بھی مطلوب ہے۔ البتہ اگر تھکن، ہجوم یا کسی مجبوری کی وجہ سے تھوڑا وقفہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

عمرہ میں نیابت (کسی کی طرف سے عمرہ) کا حکم: جو شخص خود عمرہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا— جیسے دائمی بیماری، بڑھاپا یا ایسی معذوری جس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو— تو اس کی طرف سے دوسرا شخص عمرہ ادا کرسکتا ہے۔ البتہ یہ شرط ہے کہ نیابت کرنے والا شخص پہلے اپنا فرض عمرہ ادا کر چکا ہو اور نیت میں یہ واضح کرے کہ وہ فلاں شخص کی طرف سے عمرہ کر رہا ہے، اگر کسی نے اپنا عمرہ ادا کیے بغیر کسی اور کی طرف سے عمرہ کیا تو وہ عمرہ خود اس کی طرف سے شمار ہوگا، جس کی طرف سے نیت کی گئی تھی اس کی طرف سے نہیں۔ یہ حکم نبی ﷺ کی اس ہدایت سے ثابت ہے جس میں آپ ﷺ نے پہلے اپنا حج ادا کرنے کا حکم دیا، پھر دوسروں کی طرف سے حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی۔

ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرے کرنے کا حکم: ایک ہی سفر میں متعدد عمرے کرنا جائز ہے، لیکن نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سفر میں کثرتِ عمرہ ثابت نہیں۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ ایک سفر میں ایک ہی عمرہ کیا جائے، اور باقی وقت طواف، نماز، ذکر اور دعا میں صرف کیا جائے، البتہ اگر کوئی شخص کسی ضرورت یا خاص وجہ سے ایک سے زیادہ عمرے کرنا چاہے— جیسے کسی مرحوم یا عاجز شخص کی طرف سے— تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

عمرہ کے عام مسائل اور تنبیہات: معتمر کو چاہیے کہ وہ عمرہ کے دوران سکون، وقار اور حسنِ اخلاق کو ملحوظ رکھے، لوگوں کو دھکا دینے، ایذا پہنچانے یا بلند آواز سے شور کرنے سے بچے، کیونکہ یہ عظیم عبادت خشوع، عاجزی اور ادب کا تقاضا کرتی ہے۔

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ بعض لوگ طواف یا سعی میں خود ساختہ دعائیں مقرر کر لیتے ہیں یا مخصوص کتابچے دیکھ دیکھ کر ہر چکر میں الگ دعا پڑھتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ نبی ﷺ اور صحابہؓ سے ثابت نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان دل سے، اپنی زبان میں، جو چاہے دعا مانگے۔ اسی طرح بعض لوگ حجرِ اسود، ملتزم یا کعبہ کی دیواروں سے اس طرح لپٹ جاتے ہیں کہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے یہ طرزِ عمل درست نہیں۔ عبادت وہی بہتر ہے جس میں سنت کی پیروی اور مخلوق کو اذیت سے بچانا جمع ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق حج اور عمرہ کرنے کی توفیق بخشے۔

☆☆☆

ابوعدنان سعید الرحمٰن سنابلی

اسلام میں بیوی کے حقوق

ابتدائے آفرینش سے رب تعالیٰ کا دستور رہا ہے کہ اس نے انسانوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے جس سے جہاں ایک طرف انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف نسل انسانی کی افزائش بھی ہوتی ہے۔ خاوند اور بیوی معاشرے میں دو ایسے رشتے ہیں، جو ایک دوسرے کے لئے انتہائی پاکیزہ اور بے حد محترم ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے خاوند اور بیوی میں سے ہر ایک کے کچھ حقوق متعین کئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو تاکید کی ہے کہ وہ اس رشتے کی عظمت و وقار کا پاس ولحاظ رکھیں اور اپنے جیون ساتھی کے حقوق و واجبات کی پاس داری کریں۔ مذہب اسلام نے شوہر کو گھر کا قوام، ذمہ دار اور پاس بنایا ہے تو دوسری طرف بیوی کو بھی حد درجہ عزت بخشی ہے تاکہ اسلامی ماحول میں خواتین مظلوم نہ رہیں اور کوئی انسان ان پر ظلم و بربریت کو روانہ سمجھے۔

(۱) **مہر کی ادائیگی**: عورت کا اس کے اپنے شوہر پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ اس کا مہر پورا پورا ادا کردے۔ نکاح کے بعد استمتاع بضعہ اور عورت کی شرم گاہ سے استفادہ کے جواز کے مقصد سے جو مال یا منفعت عورت کو دیا جاتا ہے، اسے مہر کہتے ہیں۔ مذہب اسلام نے مرد پر مہر کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ‘‘(سورۃ النساء/ 4) یعنی اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ’’فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ‘‘(سورۃ النساء/ 25) یعنی اس لئے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو دو۔

نیز فرمایا: ’’فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ‘‘(سورۃ النساء/ 24) یعنی انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔

مزید ارشاد فرمایا: ’’وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ‘‘(سورۃ النساء/ 24) یعنی اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لئے نا کہ شہوت رانی کرنے کے لئے۔

اسی طرح سے اللہ کے پیارے حبیب جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی کی اطلاع دیتے ہوئے کہا: میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپ نے پوچھا: ’’تم نے اسے مہر دے دیا؟‘‘ جواب دیا: کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا دیا ہے۔ اس وقت آپ نے انہیں دعا دی: ’’بارک الله لک ‘‘، یعنی اللہ تمہارے لئے برکت کا نزول فرمائے۔ ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی سہی‘‘۔ (صحیح بخاری/ 1943، صحیح مسلم/ 1427)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (صحیح بخاری/ 4798، صحیح مسلم/ 1365)

ان آیات کریمہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو مہر دینا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص عورت کو مہر نہیں دیتا ہے تو ایسے انسان کے بارے میں سخت وعید وارد ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’من أعظم الذنوب عندالله عزوجل رجل تزوج امرأة ، فلما قضى حاجته منها طلقها و ذهب بمهرها‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات عظیم گناہوں میں شمار ہوتی ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے، پھر جب اپنی خواہش پوری کرلے تو اس کو طلاق دے دے اور اس کا حق مہر لے اڑے‘‘۔ (مستدرک حاکم/ 2743، سنن بیہقی/ 14173، شیخ البانی نے اسے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ/ 999 میں حسن قرار دیا ہے۔)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’من تزوج امرأة على صداق وهو ينوى أن لا يؤديه ، فهو زان‘‘ یعنی اگر کوئی کسی عورت سے متعین مہر پر نکاح کرتا ہے حالانکہ اس کی نیت مہر دینے کی نہیں ہوتی ہے تو ایسا شخص زانی ہے۔ (صحيح الترغيب والترهيب/ 1806)

مذکورہ بالا حدیثوں سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ہر خاوند پر مہر کی ادائیگی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس نیت سے شادی کرتا ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو مہر نہیں دے گا تو اس کے تعلق سے سخت وعید آئی ہے کہ وہ شخص بدکار اور زناکار رہوگا۔ لہٰذا، ہر انسان پر ضروری ہے کہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو مہر ادا کرے تاکہ اس وعید سے بچ سکے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس تعلق سے اس سے باز پرس نہ ہو۔

(۲) **نان و نفقه** : بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’فَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ

الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى" (سورة طه/ ۱۱۷-۱۱۹) یعنی اور ہم نے کہا، اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔ یہاں تو تجھے آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے۔

مذکورہ آیت میں قابل غور یہ ہے کہ جنت سے نکلنے کی بات آدم وحوا دونوں کے لئے کہی گئی، لیکن مصیبت میں پڑنے کی بات صرف آدم علیہ السلام کو کہی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا پینا، لباس اور مکان مہیا کرنے کی ساری مشقت مرد کی ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ" (سورة النساء/ 34) یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

نان ونفقہ کے وجوب پر کتاب وسنت میں بہت ساری دلیلیں موجود ہیں اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا" (سورة الطلاق/ 7) یعنی کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہئے اور جس پر اس کے رزق کو تنگی کی گئی ہو اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے اپنی حسب حیثیت دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے۔ اللہ تنگی کے بعد آسانی و فراغت بھی کردے گا۔

دوسری جگہ فرمایا: "وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا" (سورة البقرة/ 233) یعنی اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو۔ ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔

مزید فرمایا: "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" (سورة الطلاق/4) یعنی اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے حمل والی مطلقہ عورت کا نفقہ ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بدرجہ اولی نفقہ کی حقدار ہے کیونکہ وہ انسان کے عقد میں ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت ساری ایسی حدیثیں وارد ہیں جن سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ مرد پر بیوی کا نان ونفقہ واجب ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: "اتقوا الله في النساء فانكم أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف" یعنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان سے لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے ان کے ستر (شرمگاہوں) کو حلال کیا ہے، دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دینا تمہارے اوپر ان کا حق ہے۔ (صحیح مسلم/ 1218)

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہمارے اوپر بیوی کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "أن تطعمها اذا طعمت، وتكسوها اذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح" یعنی جب تو کھانا کھائے تو اس کو کھلا اور جب کپڑا پہنے تو اس کو پہنا، اس کے چہرے پر مت مارو اور برا مت کہہ، سوائے گھر کے اس کو الگ مت کر۔ (سنن ابوداود/ 2142، سنن ابن ماجہ/ 1850، مسند احمد ۴/ ۴۴۶)

اس کے علاوہ بہت ساری حدیثوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا نان ونفقہ نہیں دیتا تو وہ گنہگار ٹھہرتا ہے اور اس پر عند اللہ اس کا مواخذہ ہوگا۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "كفى بالمرء اثما أن يضيع ممن يقوت"، یعنی آدمی کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جس کی خوراک کا ذمہ دار ہے اس سے ہاتھ روک لے"۔ (سنن ابوداود/ 1692، مسند احمد ۲/ ۱۶۰)

بیوی کا نان ونفقہ میں اگر کوئی انسان کوتاہی کرتا ہے تو شریعت اسلامیہ نے بیوی کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق شوہر کے مال سے بغیر اس کی جانکاری سے لے سکتی ہے اور وہ اپنے اس عمل میں گنہگار نہیں ہوگی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کنجوس انسان ہیں، وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتے ہیں جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزر بسر ہو سکے، البتہ میں ان کے مال سے ان کی جانکاری کے بغیر کچھ لے لیا کرتی ہوں تو کیا اس مجھے گناہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا: "خذي من ماله بالمعروف مايكفيك و يكفي بنيك"، یعنی ان کے مال سے اسی قدر لیا کرو جس سے کہ تمہارا اور تمہارے بیٹے کا گزر بسر ہو سکے۔ (صحیح بخاری/ 5049، صحیح مسلم/ 1714)

بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دے رہا ہے تو جہاں ایک طرف اپنی ذمہ داری ادا کر رہا ہے، وہی دوسری طرف وہ شخص بے پناہ ثواب اور فضائل سے بھی محظوظ ہو رہا ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا أنفق الرجل علی أهله نفقة وهو يحتسبها كانت له صدقة" یعنی جب مسلمان اجروثواب کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر کچھ خرچ کرتا ہے تو اس کے لئے صدقہ کا ثواب ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری/5036، صحیح مسلم/1002)

ایک دوسری حدیث میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انک لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا أجرت عليها حتى ما تجعل في في امرأتك" یعنی تم اپنے اہل وعیال پر جو کچھ خرچ کروگے اس کا تمہیں اجر ملے گا حتی کہ تمہیں اس لقمہ کا بھی اجر ملے گا جو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔ (صحیح بخاری/1295، صحیح مسلم/1628)

(۳) رھائش: عورت کے لئے رہائش کا انتظام کرنا اور اس کے لئے گھر مہیا کرنا مرد پر ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ" (سورۃ الطلاق/ 6) یعنی تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔

یہاں قابل غور یہ ہے کہ وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہے جب اس کے لئے رہائش مہیا کرنا لازم کیا گیا ہے تو وہ عورت جو آدمی کے نکاح میں ہو، وہ بدرجہ اولی رہائش کی حقدار ہوگی۔

مزید فرمایا: "وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" (سورۃ النساء/ 19) یعنی ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔

بھلے طریقے سے زندگی بسر کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی ایک گھر اور ٹھکانہ مہیا کرے جس میں عورت اپنے مال ومتاع کو بحفاظت رکھ سکے، اس میں رہ کر لوگوں کی نظروں سے چھپ سکے اور حسب موقع وحسب ضرورت اپنے شوہر سے لطف اندوز ہوسکے۔ (ملاحظہ ہو: المغني لابن قدامة المقدسي ۹/ ۲۳۷)

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کے بقول: شوہر پر اپنی طاقت کے بقدر بیوی کو رہائش فراہم کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ" (سورۃ الطلاق/ 6) یعنی تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔ ملاحظہ ہو: المحلى لابن حزم ۹/ ۲۵۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر شوہر بیوی کو مستقل رہائش دینے سے عاجز ہو تو بیوی کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر سے ایسی چیز کا مطالبہ کرے جس سے وہ عاجز ہو۔ اسے رحیبانی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اپنی کتاب مطالب اولی النھی فی شرح غایۃ المنتھی ۵/ ۱۲۲ میں نقل کیا ہے۔

(٤) بیوی کی دینی تعلیم کا مناسب انتظام کرنا: عورت کی تعلیم مرد کے ذمہ ہے اور یہ عورت کا حق ہے۔ شوہر کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کی دینی تعلیم کے معاملے میں بھی ایسی ہی دلچسپی کا مظاہرہ کرے جیسا کہ اس کے کھانے اور کپڑوں کے معاملہ میں مرد حضرات حساس ہوتے ہیں کیونکہ یہ ایسی ضرورت ہے جس سے عورت کی آخرت سنورتی ہے۔ ایک انسان جب اپنی اہلیہ کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرے گا تو اس کے بہتر اثرات سے خود مستفید ہوگا۔ ان کے بچوں کی زندگی سدھر جائے گی اور گھر کا ماحول انتہائی پرسکون رہے گا کیونکہ ایک پڑھی لکھی خاتون کبھی بھی اپنے شوہر کی نافرمانی نہیں کرسکتی اور ایسا اقدام نہیں کرسکتی جس سے گھر اور خاندان میں اختلاف وانتشار اور شقاق ونفاق پھیلے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" (سورۃ التحریم/ 6) یعنی اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں۔

یہ بات کسی صاحب عقل سے مخفی نہیں کہ جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے اصول دین کی تعلیم ضروری ہے۔ اللہ کی توحید، ارکان ایمان، ارکان اسلام، حلال و حرام، عبادات و معاملات اور مکارم اخلاق سکھا کر اہل وعیال کی تربیت کریں۔ علی رضی اللہ عنہ آیت کریمہ "قوا أنفسكم و أهليكم" کی تفسیر کے تعلق سے فرماتے ہیں: "أدبوهم و علموهم الخير" یعنی انہیں ادب سکھاؤ اور ان کو خیر کی تعلیم دو۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/ ۳۹۱)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رات میں وتر پڑھتے تو کہتے: "قومي فأوتري يا عائشة" یعنی عائشہ! اٹھو اور وتر پڑھ لو۔ (صحیح مسلم/ 744)

(۵) بیوی کے رازوں کو فاش نہ کرنا: عورت کے ساتھ وفا کا تقاضا ہے کہ شوہر، میاں بیوی کے مشترک معاملات کو نہ پھیلائے۔ اگر شوہر بیوی کی خفیہ باتوں کو پھیلاتا ہے تو یہ عہد زوجیت کے منافی ہوگا اور عورت کے ساتھ خیانت اور اسے تکلیف دینے کے مترادف ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیح فعل کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے فاعل کی مذمت فرمائی ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان من أشر الناس عندالله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي الى امرأته و تفضي اليه ثم ينشر سرها" یعنی لوگوں میں بدترین آدمی اللہ کی نظر میں وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے خواہش پوری کرتا ہے اور اس کی بیوی اس سے خواہش پوری کرتی ہے پھر وہ اپنی بیوی کے راز کو افشا کردیتا

ہے۔(صحیح مسلم/1437)

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر مصلحت ہو اور کوئی ضرر نہ ہو تو اس طرح کی باتیں بیوی کی موجودگی میں کہی جاسکتی ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عبارت میں جواب اس وجہ سے دیا تاکہ بات اچھے ڈھنگ سے سمجھ میں آسکے۔(شرح مسلم۴/۴۲)

(۶) بیوی کے معاملے میں غیرت اور اس میں اعتدال:عورت کے معاملے میں مرد کا غیرت مند ہونا نہایت ہی قابل تعریف امر ہے۔اچھے اور نیک لوگ غیرت جیسی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔مرد کے دل میں غیرت کا جذبہ اس کی مردانگی کی دلیل ہے۔مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے نہایت غیرت مند ہو،اسے لوگوں کی نگاہوں اور زبانوں سے محفوظ رکھے۔

اسلام نے نہایت ہی مستحسن انداز میں غیرت کے حدود وضوابط کو متعین کردیا ہے جوکہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-مرد اپنی اجازت کے بغیر اپنے گھر میں کسی مرد یا عورت کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا اجنبی ہوں کیونکہ گھر اور خاندان کی مصلحت کا علم مرد کو ہے اور وہ عورت پر حاکم ومنتظم ہے۔ممکن ہے کسی قرابت دار کے بارے میں مرد کی رائے ہو کہ وہ خاندان کو بگاڑ دے گا۔

۲-عورت اپنے گھر سے نکل کر مردوں کی انجمنوں اور سوسائٹیوں میں جاکر حصہ نہ لے۔

۳-عورت سے زیادہ دنوں تک دور رہ کر اسے مشقت میں نہ ڈالے۔گندے کہانیوں،فحش ناولوں اور عریاں میگزینوں کے مطالعہ سے بچائے۔

(۷) حسن معاشرت:حسن معاشرت کو آسان لفظوں میں بھلے انداز میں زندگی بسر کرنے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:"وعاشروهن بالمعروف" (سورۃ النساء/191)یعنی ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو۔

آیت کریمہ میں حسن معاشرت اور بھلے انداز میں زندگی بسر کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ انتہائی جامع ہے اور اس کے مفہوم میں بہت سی باتیں شامل ہیں مثلاً شوہر اپنی بیوی کا مہر اور نان ونفقہ ادا کرے،اس کے لئے پرسکون رہائش مہیا کرے، بلاسبب اس کے سامنے منہ نہ بگاڑے،ترش روئی نہ اختیار کرے،کسی دوسری عورت کی طرف اپنا میلان ظاہر نہ کرے،میٹھی باتیں کرے،چاہت نا ہو پھر بھی الفت ومحبت کا اظہار کرے۔واضح ہو کہ یہ جھوٹ نہیں ہے۔ام کلثوم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت میں جھوٹ کی اجازت نہیں سنی ہے البتہ تین موقعوں پر:جنگ کے وقت،لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے،میاں بیوی کا آپس میں بات چیت کرتے وقت"۔(صحیح مسلم/2605)

حسن معاشرت کے تقاضے:

۱-بیوی کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آنا:ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"أكمل المؤمنين أحسنهم خلقا وخياركم خياركم لنسائهم" یعنی ایمان کے لحاظ سے کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے اور تم میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہو۔(سنن ترمذی/1162،صحیحہ/284)

۲-بیوی کی خوبیوں اور خامیوں کا موازنہ کرنا:فطرتاً ہر انسان کے اندر کچھ خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں۔اس سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں ہے اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے اندر صرف اور صرف اچھائیاں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں۔عورت بھی ایک انسان ہے،لہذا وہ اس قاعدہ اور اصول سے خارج نہیں ہے۔اس لئے مرد کو چاہئے کہ جب بیوی سے کوئی غلطی ہو تو اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کو یاد کرے اور غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"لايفرك مؤمن مؤمنة ان كره منها خلقا رضي منها آخر" یعنی کوئی مومن مرد اپنی مومنہ بیوی سے بغض نہ رکھے،اگر اس کی کوئی عادت ناپسند ہوگی تو ضرور کوئی دوسری پسند ہوگی۔(صحیح مسلم/1469)

۳-بیوی کی کوتاہیوں اور خامیوں پر صبر کرنا:ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:ماضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا قط بيده ولا امرأة ولا خادما الا أن يجاهد في سبيل الله... یعنی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا،نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی خادم کو،البتہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے۔(صحیح مسلم/2327)

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:"مارأيت أحدا كان أرحم بالعيال من رسول الله صلى الله عليه وسلم" یعنی میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے لئے رحیم وشفیق کسی کو نہیں دیکھا۔(صحیح مسلم/2316)

۴-بیوی کے سامنے چہرے کو شگفتہ رکھنا:ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"لا تحقرن من المعروف شيئا ولو أن تلقى أخاك بوجه طلق" یعنی کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو،اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ روئی اور شگفتہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو،وہ بھی ایک نیکی ہے۔(سنن ابوداود/4084)

۵-بیوی کی رائے اور مشورہ کا احترام:اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح

حدیبیہ کے دن ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ قبول کیا اور وہ مسلمانوں کے حق میں انتہائی مفید ثابت ہوا۔

بعض روایتوں میں جو آتا ہے: ''شاوروهن و خالفوهن'' یعنی عورتوں سے مشورہ ضرور کرو، لیکن جو مشورہ دیں، اس کے الٹا کام کرو۔ یہ روایت موضوع ہے۔ اسے امام سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں موضوع قرار دیا ہے۔ لہذا، عورتوں کے مشورے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے کاموں کی انجام دہی کے تعلق سے مشورے میں اپنی اہلیہ کو شریک رکھے اور مناسب مشورہ ملے تو اس کا احترام کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد بھی کرے۔

۶- گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرنا: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**يا بني اذا دخلت على أهلك فسلم، يكن بركة عليك و على أهل بيتك**'' یعنی جب تم اپنے اہل وعیال پر داخل ہو تو سلام کرو۔ تمہارا سلام خود تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت کا سبب ہے۔ (سنن ترمذی/ 2698، اسے شیخ البانی نے **صحيح الترغيب والترهيب/ 1608** میں **حسن لغيره** قرار دیا ہے۔)

۷- بیوی کی غلطیوں کی تلاش میں نہ رہنا: حسن معاشرت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی عورت کی غلطیوں کی تلاش میں نہ رہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يطرق الرجل أهله ليلا يتخونهم أو يلتمس عثراتهم** یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ کوئی انسان رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچے، ان کی خیانت یا لغزش کو تلاش کرنے کے ارادے سے (صحیح بخاری/ 4946)

عموما جو لوگ بہت دنوں تک باہر رہتے ہیں، ان کی بیویاں بناؤ سنگار کے رہتی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ رات کے وقت کوئی اس حالت میں اپنی بیوی کے پاس پہنچے گا تو اسے اپنی بیوی سے نفرت ہوجائے۔ اس وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت بیوی کے پاس آنے سے منع کیا ہے۔

۸- علاج ومعالجہ کرنا: عورت جب بیمار ہو تو حسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ اس کا علاج ومعالجہ کیا جائے، خواہ مرض کی مدت کتنی طویل ہوجائے اور اس دوران مرد اس سے فائدہ نہ اٹھا رہا ہو بلکہ اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے کہ مرد بنفس نفیس اس کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کرے، جیسا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوسکے کیونکہ ان کی اہلیہ محترمہ بیمار تھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: ''تم ان کے ساتھ ٹھہرو، تمہیں بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر ثواب حاصل ہوگا اور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا''۔ (صحیح بخاری ۷/۴۸)

۹- تعدد ازدواج کی صورت میں عدل وانصاف کرنا: حسن معاشرت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اگر انسان کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو باری کی تقسیم اور نان ونفقہ دینے میں عدل وانصاف سے کام لے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من كانت له امرأتان فمال الى احداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل**'' یعنی جب کسی شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہ لیا تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔ (سنن ابوداود/ 2133 شیخ البانی نے صحیح الجامع/ 6515 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

۱۰- گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کس طرح کے کام کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: **كان بشرا من البشر يفلي ثوبه و يحلب شاته ويخدم نفسه** یعنی آپ ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوندکاری کیا کرتے تھے، اپنی بکریوں کو دوہا کرتے تھے اور اپنے کام کو بخود انجام دیا کرتے تھے۔ (مسند احمد/ 26194، اسے شیخ البانی نے **سلسلة الأحاديث الصحيحة/ 671** میں صحیح قرار دیا ہے۔)

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۶ کا)

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللّهَ مَعَنَا (التوبہ: 40) یہ عظیم واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطرے کے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دوسرے کے ساتھ ایثار اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے اور مصیبت کے وقت اپنے بھائیوں کے ساتھ کھڑے رہتے تھے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مثل المومنين فى توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد** (متفق علیہ) حقیقی دوست وہ ہے جو مصیبت میں تمہارے ساتھ کھڑا ہو، تمہیں سچی نصیحت کرے، تمہیں خیر کی طرف رہنمائی دے، اللہ کی اطاعت میں تمہاری مدد کرے، تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری عزت کی حفاظت کرے اور تمہارے غم میں شریک ہو جبکہ مفاد پرست دوست وہ ہوتا ہے جو صرف اس وقت تک ساتھ رہتا ہے جب تک اسے کوئی فائدہ حاصل ہوتا رہے۔ زندگی آزمائشوں سے بھری ہوئی ہے، اور ان میں ایک بڑی آزمائش دوستوں کی پہچان بھی ہے۔ سچا دوست ایک قیمتی خزانہ ہے جو آسانی سے نہیں ملتا۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے اور خود بھی اپنے دوستوں کے لیے وفادار اور مخلص بنے، جو خوشی اور غم دونوں میں ان کا ساتھ دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نیک اور صالح دوست عطا فرمائے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جو نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ آمین

☆☆☆

ترجمان دہلی — پندرہ روزہ جریدہ

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ

(وفات ٦-جنوری ١٩٩٤ء)

مولانا محمد اسحاق بھٹی

١٩٤٥ کے اکتوبر میں جمعیت علمائے ہند کے اکابر نے جمعیت کے مرکزی دفتر دہلی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں کے سرکردہ ارکان کا ایک اجلاس طلب کیا تھا۔ استاذ محترم حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اس وقت فیروز پور میں قیام فرماتے اور ضلع فیروز پور کی جمعیت علمائے ہند شاخ کے صدر تھے۔ اس حیثیت سے انھیں اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ میرے نام بھی دعوتی خط آیا تھا اور میں اجلاس میں شمولیت کے لیے مولانا ممدوح کے ساتھ دہلی گیا تھا۔ ان دنوں ہمیں دلی کے بہت سے مقامات کی سیر اور متعدد اہل علم سے ملاقات کے مواقع میسر آئے۔ وہ دور کبھی یاد آتا ہے تو دل میں ایک خاص قسم کی جذباتی سی لہر اٹھتی ہے اور تھوڑی دیر بعد دب جاتی ہے۔ اور ایک دن نماز عصر کے وقت ہم نے دارالحدیث رحمانیہ کا قصد کیا۔ اہل حدیث کا یہ مشہور مدرسہ تھا جو دہلی کے دو مخیرؒ بھائیوں شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ عطاء الرحمٰن نے تعمیر کرایا تھا۔ وہی اس کے انتظام اور اخراجات کے ذمہ دار تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے مدرسہ رحمانیہ کے قریب ہی مولانا محمد جوناگڑھی دہلوی کی عالی شان کوٹھی تھی جو مدرسہ رحمانیہ کو جانے والے راستے کے بائیں جانب تھی۔ ان کے اخبار محمدی کا دفتر اس کوٹھی کی پہلی منزل میں تھا۔ اس سے تقریبا چار سال پہلے مارچ ١٩٤١ء میں مولانا محمد جوناگڑھی تو وفات پا گئے تھے لیکن ان کے مکتبہ محمدی اور اخبار محمدی وغیرہ کی زمام انتظام مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کے ہاتھ میں تھی۔ ان سے مل کر ہم دارالحدیث رحمانیہ گئے۔ بڑی وسیع اور شان دار عمارت تھی۔ تعلیم و تدریس کے لیے کھلا ہال، اساتذہ کی شان کے مطابق ان کی اقامت گاہیں، طلبا کے لیے دور تک پھیلا ہوا دار الاقامہ، صاف ستھرا صحن، خاصی وسیع گراؤنڈ جس میں قسم قسم کے درخت سبز دوشالہ اوڑھے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہر لحاظ سے جاذب نظر جگہ اور دل کش منظر۔

حضرت مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمانی اس وقت دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث پر فائز تھے۔ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی بھی وہیں خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے۔ پاکستان کے مشہور عالم و مدرس مولانا محمد عبدہ بھی ان دنوں وہاں پڑھاتے تھے۔ مولانا عبید اللہ رحمانی کی زیارت پہلی دفعہ دارالحدیث رحمانیہ میں کسی زمانے میں ہوئی۔ یہ سطور ٢٣/اکتوبر ٢٠٠٨ء کو لکھی جا رہی ہیں۔ اس حساب سے یہ آج سے ٦٣ سال قبل کی بات ہے۔ میرے ذہن میں ان کا اس وقت کا حلیہ کچھ اس طرح کا آرہا ہے۔ میانہ قد، گندمی رنگ، کچھ چوڑا چہرہ، کھلی پیشانی، چمک دار اور قدرے موٹی آنکھیں۔ ابھری ہوئی ناک نہ تیکھی نہ چپٹی۔ چہرے پر پھیلی ہوئی سیاہ داڑھی۔ قینچی سے باریک تراشی ہوئی مونچھیں۔ سر پر غالبًا سفید ململ کا عمامہ۔ سفید پاجامہ اور سفید قمیص پہنے ہوئے۔ انکسار اور تواضع کا پیکر۔ گفتگو کا انداز میٹھا اور دھیما۔

معلوم ہوتا تھا حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے ان کے مراسم اس ملاقات سے کافی پہلے سے قائم تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے عصر کے بعد چائے مولانا محمد عبدہ کے کمرے میں پی گئی تھی، جس میں مولانا عبید اللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد رحمانی شریک تھے۔ تقریباً دو گھنٹے ہم وہاں رہے۔ اس اثنا میں یہ حضرات دہلی کے تعلیمی اداروں، مختلف علمائے کرام اور ان کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ نماز مغرب ہم نے وہیں پڑھی۔

اس مختصر سی ملاقات کے متعلق میں اپنا عمومی تاثر یہی عرض کر سکتا ہوں کہ ان کے دل میں مولانا عطاء اللہ صاحب کا بہت احترام تھا اور مولانا کا رویہ بھی ان کے ساتھ نہایت اعزاز کا تھا۔

دوسری اور آخری مرتبہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کی زیارت کا شرف اس سے تقریباً پونے دو سال بعد جون ١٩٤٧ء میں حاصل ہوا۔ ١٨/جون کو میں اور میرے ایک بزرگ دوست قاضی عبید اللہ مرحوم اپنی ریاست فرید کوٹ کے چند سیاسی مسائل کے سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کے لیے دہلی پہنچے۔ مولانا معین الدین لکھوی بھی ہمارے ساتھ تھے، (جن کی شادی اس سے کچھ عرصہ پیشتر مولانا محمد جوناگڑھی دہلوی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی)۔ ٢١/جون کو ہم مدرسہ رحمانیہ گئے، وہاں مولانا محمد عبدہ صاحب سے ملنا مقصود تھا جو اس وقت مدرسہ رحمانیہ میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اس موقعے پر مولانا عبید اللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد املوی رحمانی کو بھی سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بس انھی دو مواقع پر یہ فقیر ان کی زیارت سے مشرف ہوا۔

مولانا عبید اللہ رحمانی ہندوستان کے عظیم علمی خاندان کے عظیم رکن تھے۔ وہ ”سیرۃ البخاری“ کے مصنف اور دارالحدیث رحمانیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مبارک پوری کے فرزند عالی قدر تھے۔ مبارک پوری خاندان کے اصحاب علم کی خدمات دینیہ کا سلسلہ بہت وسیع ہے، جس کا آغاز حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے والد مکرم حافظ عبدالرحیم مبارک پوری سے ہوتا ہے اور اب تک اللہ کے فضل سے چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ جاری رہے گا۔(١)

مولانا عبید اللہ رحمانی کی ولادت محرم ١٣٢٧ھ (فروری ١٩٠٩ء) میں قصبہ

مبارک پور (ضلع اعظم گڑھ یوپی) میں ہوئی۔ علمی اعتبار سے بھی یہ مردم خیز قصبہ ہے اور صنعتی لحاظ سے بھی ہندوستان میں اسے خاص شہرت حاصل ہے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ (مئوضلع اعظم گڑھ) میں اپنے والد ماجد مولانا عبدالسلام مبارک پوری سے حاصل کی جو اس وقت وہاں کی مسند درس پر متمکن تھے۔ پھر جب ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں وہ مئو سے جامعہ سراج العلوم بونڈھیار (ضلع گونڈہ) تشریف لے گئے تو مولانا عبیداللہ بھی والد ذی شان کے ساتھ وہیں چلے گئے۔ بعدازاں جب انھیں دہلی کے دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث پیش کی گئی اور وہ وہاں تشریف لے گئے تو مولانا عبیداللہ نے بھی والد مکرم کی معیت میں دہلی کے لیے رخت سفر باندھا۔ دارالحدیث رحمانیہ ہی سے انھوں نے ۱۳۴۵ (۱۹۲۷ء) میں سند فراغت لی۔ اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ نہایت ذہین اور پڑھنے کے بے حد شائق۔ ہر امتحان میں ہمیشہ ممتاز رہے۔ (۲)

مولانا عبیداللہ رحمانی کی تحصیل علم کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے:

فارسی کی کتابیں جو اس وقت مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ علم نحو کی کتابیں شرح جامی تک، منطق کی کتابیں قطبی تک، علم فقہ کی شرح وقایہ تک اور بعض دیگر علوم کی کتابیں بھی والد مکرم سے پڑھیں۔

مدرسہ رحمانیہ کے پانچ سالہ دور طالب علمی میں معقولات کی کتابوں کی تکمیل مولانا غلام یحییٰ کان پوری سے کی۔

کتب حدیث کا درس حضرت مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی دہلوی سے لیا جو اس وقت دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن تھے۔ عربی ادبیات کے لیے ایک اور مدرس حافظ عبدالرحمٰن کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ جامع ترمذی کا ابتدائی حصہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری سے پڑھا۔ مقدمہ ابن الصلاح بھی انھی سے پڑھا اور سراجی بھی انھی سے پڑھی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن نے ان کو وہیں مدرس مقرر کرلیا تھا اور انھوں نے نہایت شوق اور جاں فشانی سے یہ خدمت سرانجام دینی شروع کردی تھی۔ ان کے طریق تدریس سے وہاں کے اساتذہ بھی خوش تھے، طلبا بھی مطمئن تھے اور مہتمم صاحب کو بھی یقین ہوگیا تھا کہ یہ نوجوان محنت اور یک سوئی سے اس اہم کام میں مشغول ہیں۔

ان دنوں اپنے مسکن مبارک پور میں مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی لکھ رہے تھے اور اسی دوران میں ان کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔ اس کتاب کی تکمیل کے لیے انھیں معاون کی ضرورت تھی جو ان کے افکار قلم بند کرنے اور مراجع کی تلاش سے متعلق خدمت انجام دے سکے۔ اس سلسلے میں ان کی نگاہ اپنے عزیز نوجوان مولانا عبیداللہ رحمانی پر پڑی۔ یہ بات دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن کے علم میں لائی گئی تو انھوں نے مولانا عبیداللہ رحمانی کو حضرت کی خدمت میں مبارک پور بھیج دیا۔ اس سلسلے میں ان کے دو ساتھی اور تھے، وہ تھے مولانا عبدالصمد مبارک پوری اور مولانا محمد کنگن پوری۔ ان حضرات نے دو سال حضرت محدث مبارک پوری کی رہنمائی میں یہ خدمت سرانجام دی اور تحفۃ الاحوذی کا جو حصہ تشنۂ تکمیل تھا، وہ مکمل ہوگیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ عمر کے ابتدائی دور ہی میں مولانا عبیداللہ رحمانی کو حدیث اور علوم حدیث سے متعلق تحقیقی کاموں سے دلچسپی تھی اور ان کی دلچسپی کا علم اس عہد کے اکابر علمائے کرام کو بھی تھا۔

تحفۃ الاحوذی کی تکمیل کے بعد مولانا عبیداللہ رحمانی پھر دارالحدیث رحمانیہ تشریف لے آئے تھے اور وہیں مسند درس سنبھال لی تھی، جس پر اس سے پہلے فائز تھے۔ کچھ عرصے کے بعد انھیں شیخ الحدیث مقرر کردیا گیا تھا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو انھیں اس عظیم درس گاہ میں ملا۔ اب مولانا ممدوح رحمانیہ میں طلبا کو کتب صحاح بھی پڑھاتے تھے اور فتوی نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ دارالحدیث کے ماہنامہ محدث کے پہلے وہ نائب مدیر تھے، پھر اس کے مدیر بنائے گئے۔ بعض انتظامی امور بھی ان کے سپرد تھے، طلبا کی دیکھ بھال اس کے علاوہ تھی۔ اگست ۱۹۴۷ء تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد حالات نے ایسی کروٹ لی کہ ملک فسادات کی زد میں آگیا اور دارالحدیث رحمانیہ جو ہندوستان میں تدریس کا مشہور مرکز تھا، بند ہوگیا۔ پھر چند ہی روز میں شفیق الرحمٰن قدوائی میموریل سینئر اسکول کی شکل اختیار کرگیا۔ یہ اللہ کی مہربانی ہوئی کہ مسلمانوں کے قبضے میں رہا اور اگرچہ انداز بدل گیا لیکن اس میں سلسلہ تعلیم ہی کا جاری رہا۔

مولانا عبیداللہ رحمانی حالات کی ناموافق رفتار سے مجبور ہوکر اپنے آبائی مسکن مبارک پور چلے گئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک اور کام لینا مقصود تھا اور وہ کام تھا مشکوۃ شریف کی شرح کا۔ چناں چہ وہ اس کام میں مصروف ہوگئے۔

اس میں مصروف ہونے کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت استاذ محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ایک عرصے سے یہ خواہش رکھتے تھے کہ مشکوۃ شریف اور صحاح کی کتابوں پر اہل حدیث کے نقطہ نظر سے مختصر حواشی لکھے جائیں جو طلبا کے لیے بھی مفید ہوں اور اساتذہ کے لیے بھی۔ یہی خواہش حافظ محمد زکریا بن میاں محمد باقر (ساکن جھوک دادو چک نمبر ۲۴۷ گ ب ضلع فیصل آباد) کی تھی۔ ان دونوں کے نزدیک اس کام کے لیے مولانا عبیداللہ رحمانی موزوں ترین شخصیت تھے۔ چناں چہ آزادی برصغیر کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے مولانا عبیداللہ رحمانی سے بذریعہ خط رابطہ پیدا کیا اور سب سے پہلے مشکوۃ شریف کا حاشیہ لکھنے کے متعلق بات ہوئی۔ مولانا رحمانی کے یہ عین تحقیقی ذوق کا کام تھا اور کتب حدیث اور ان کی شروح پر ان کی گہری نظر تھی۔ طویل عرصے تک وہ حدیث کا درس بھی طلبا کو دیتے رہے تھے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی رہنمائی میں تحفہ الاحوذی کی تصنیف کے زمانے میں ان کے شریک کار بھی رہے تھے۔ چناں چہ اللہ کا نام لے کر انھوں نے یہ

کام شروع کر دیا۔اس کے آغاز کے چند مہینے بعد (اگست ۱۹۴۹ء میں) حافظ محمد زکریا تو وفات پا گئے لیکن ان کے والد میاں محمد باقر مرحوم نے اس سے دلچسپی قائم رکھی۔ مولانا رحمانی کا قلم اختصار کے دائرے سے آگے نکل کر تفصیل کی حدود میں پہنچ گیا اور تحقیق کے اس میدان میں اس نے خوب خوب جولانیاں دکھائیں۔ حاشیے کے بجائے مفصل شرح ہوگئی۔کتاب المناسک تک کام ہوا تھا کہ مولانا رحمانی کو مختلف عوارض نے گھیر لیا اور قلم کی رفتار رک گئی۔اس شرح کا نام ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ہے۔ پہلے یہ کتاب مولانا محمد عطاء اللہ صاحب کے اہتمام میں مکتبہ سلفیہ (لاہور) کی طرف سے لیتھو میں شائع ہوئی تھی اور اس وقت طباعت کا یہی سلسلہ چلتا تھا۔ پھر یہ کتاب جامعہ سلفیہ (بنارس) نے نہایت خوب صورت طریقے سے ٹائپ پر شائع کی جو 9 جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اب مکتبہ سلفیہ لاہور نے بھی شائع کر دی ہے۔کتاب اگر چہ مکمل نہ ہوسکی مگر جتنی لکھی گئی، اسے ہندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے علمی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ کیوں کہ اس میں خالص محدثانہ اسلوب تحقیق اختیار کیا گیا ہے اور فاضل مصنف نے بے حد محنت سے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔

حضرت ممدوح علوم دینیہ کے تمام پہلوؤں پر عمیق نگاہ رکھتے تھے۔تفسیر حدیث، اصول، فقہ عربی ادبیات، صرف ونحو، منطق و فلسفہ وغیرہ کی متداول درسی کتابوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔اس باب میں وہ اپنے اسلاف (حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور مولانا عبدالسلام مبارک پوری) کا حسین ترین نمونہ تھے۔علم کے علاوہ عمل کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں خوب نوازا تھا۔جس شخص میں علم اور عمل کی خصوصیات جمع ہو جائیں، وہ دنیا میں بھی کامیاب ہے اور آخرت میں بھی فوز وفلاح کا مستحق قرار پائے گا۔

ابتدائے گزارشات میں عرض کر چکا ہوں کہ مجھے ان کی زیارت کا شرف دو دفعہ دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) میں حاصل ہوا، وہ بھی بہت مختصر وقت میں۔ نہ میں ان کے آبائی وطن جا سکا، نہ دو چار روز کے لیے ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا اور نہ ان کے زیادہ دیر تک ارشادات سننے کی سعادت میسر آسکی۔لیکن ان کی خدمت میں حاضری دینے والے اور ان کی مجلس میں کچھ وقت گزارنے والے بتاتے ہیں کہ وہ انتہائی مہمان نواز تھے، بے حد صفائی پسند تھے، چھوٹوں پر شفقت ان کا وتیرہ اور بڑوں کا احترام ان کا شیوہ تھا۔بات چیت میں انکسار اور میل جول میں تواضع ان کا معمول تھا۔عالمانہ وقار اور بزرگانہ اسلوب کلام ان کا شعار تھا۔

حضرت ممدوح عربی کے عالم تھے، لہذا انھوں نے زیادہ عربی میں کام کیا۔ اردو سے ان کا اعتنا کم رہا۔عربی ہی میں انھوں نے مشکوۃ کی شرح لکھی اور عربی کتابیں ہی ان کی تدریس کا محور رہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھا، جس سے عربی دانوں کو بھی فائدہ پہنچا اور اردو جاننے والے بھی مستفید ہوئے۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے سیرۃ البخاری اردو میں لکھی جو اپنے موضوع کی اوّلین کتاب ہے اور بے حد محققانہ تصنیف۔ امام بخاری کے بارے میں اس پایہ کی کتاب اس کے بعد معرض تصنیف میں نہیں آسکی۔ اگر چہ مولانا عبیداللہ رحمانی کی کوئی مستقل تحقیقی کتاب اردو میں نہیں (یا اس فقیر کے مطالعہ میں نہیں آئی)، لیکن ان کا ایک مجموعہ مکتوبات مکاتیب حضرت شیخ الحدیث کے نام سے ۲۰۰۲ء میں فردوس پبلی کیشنز نئی دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ یہ وہ مکتوبات ہیں جو انھوں نے مختلف اوقات میں مولانا عبدالسلام رحمانی کے نام ارسال فرمائے۔ اس مجموعے کا پہلا خط جو حضرت ممدوح نے مولانا عبدالسلام رحمانی کو ارسال فرمایا اس پر ۴-صفر ۱۳۷۸ھ (۲۰ ستمبر ۱۹۵۸ء) کی تاریخ درج ہے اور آخری خط ۱۴- جولائی ۱۹۹۱ء کا مرقومہ ہے۔کم وبیش ۳۴ سال کی اس طویل مدت میں حضرت نے ان کو ۱۵۴ خطوط ارسال فرمائے۔ان خطوط کی مکتوب الیہ نے بے حد حفاظت کی اور انھیں انتہائی احتیاط کے ساتھ سنبھال کر رکھا۔ان میں چھوٹے خطوط بھی ہیں اور بڑے بھی۔مختصر بھی ہیں اور مفصل بھی۔بعض خالص علمی نوعیت کے ہیں اور بعض کی حیثیت مشوروں اور نصیحتوں کی ہے۔بعض فقہی مسائل پر مشتمل ہیں اور بعض میں ذاتی قسم کے معاملات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ اس وقت ذاتی نوعیت کے ہیں۔ میرے سامنے ہے جو ایک سو بیس خطوط پر محیط ہے۔ اس میں ۳۴ خطوط شائع نہیں کیے گئے جو خالص ذاتی نوعیت کے ہیں۔

(۱) مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری اور ان کے والد گرامی حافظ عبدالرحیم مبارک پوری کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب دبستان حدیث شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور (۲) دار الحدیث رحمانیہ (دہلی) حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی تجویز سے ۱۹۲۱ء میں تقریباً ایک لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہوا تھا اور اسی سال اس میں تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا۔تمام اخراجات دہلی کے دو تاجر اور فراخ حوصلہ بھائیوں شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ عطاء الرحمٰن نے برداشت کیے۔اس کے اجرا پر ابھی دو سال کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ شیخ عبدالرحمٰن وفات پا گئے۔سارا بوجھ شیخ عطاء الرحمٰن پر آن پڑا۔ شیخ عبدالرحمٰن کے بڑے بیٹے حاجی عبدالستار بھی اس دار الحدیث کی تعمیر وترقی میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔لیکن وہ بھی عین عالم جوانی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ دارالحدیث رحمانیہ ہندوستان میں اہل حدیث کا مشہور تدریسی ادارہ تھا۔ افسوس ہے اگست ۱۹۴۷ء میں ختم ہو گیا۔ اس کا تذکرہ اس کتاب کے مختلف مقامات پر ہوا ہے۔

(گلستان حدیث)